استشراق اور اسلامی ادب تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

(خاکہ برائے شہادۃ العالمیہ فی علوم العربیہ والاسلامیہ)

مقالہ نگار

محمد اویس

(متعلم جامعہ اسلامیہ لاثانیہ علی پور سیداں نارووال)

نگرانِ مقالہ

مولانا محمد عثمان نقشبندی

(ایم فِل انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد)

رول نمبر: شہادۃ العالمیہ سالِ اوّل:411183

سیشن بمطابق: 1444ھ 2023ء

جامعہ اسلامیہ لاثانیہ 17 کلومیٹر پسرور روڈ علی پور سیداں، نارووال

فہرست

عنوانات--صفحہ

باب دوم: قرآن و حدیث پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ

فہارس

تمھید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونستهديه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا وسيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له، وأصلي وأسلم على الرحمة المهداة والنسمة المجتباة، سيدنا محمد وعلى وآله وصحبه وسلم،

امابعد!

فَأَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطَانِ الرَّجِیۡم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید:

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوّاً مِنَ الْمُجْرِمِينَ وَكَفَى بِرَبِّكَ هَادِياً وَنَصِيراً

وقال اللہ تعالیٰ فی مقام آخر:

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوّاً شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوراً وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ (۱۱۲) وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ مُقْتَرِفُونَ (۱۱۳)

صدق اللہ العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم الامین

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ مسمی: محمد اویس، ولد: رحمت علی، نے زیرِ نظر مقالہ بعنوان:(استشراق اور اسلامی ادب تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ)میری نگرانی میں تحریر کیا ہے۔

مقالہ نگار نے بڑی جانفشانی اور انتھک محنت و کوشش کے ساتھ اس تحقیقی مقالہ کو ترتیب دیا ہے۔

مقالہ لکھنے کے دوران مقالہ نگار وقتاً فوقتاً مجھ سے راہنمائی بھی لیتا رہا ہے۔میں نے مقالہ کو چند مقامات سے بغور پڑھا ہے۔مقالہ نگار کی محنت، اندازِ تحریر اور مواد سے عَیاں ہے۔

میں دعا گوہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ مقالہ نگار کی اس محنت و کوشش کو اپنی بار گاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے، اور اِسے قارئین کرام کے لیے نافع بنائے۔

تصدیق کنندہ: مولانا محمد عثمان نقشبندی

(ایم فِل انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد)

دستخط:-----------------

اِنتساب

نہایت ہی ادب و احترام کے ساتھ میں اپنی اس کاوش کو اپنے نہایت ہی معزز و محتشم والدین کی طرف منسوب کرتا ہوں۔ کہ جنہوں نے 'الدین النصیحۃ' کے تحت مجھے علم حاصل کروانے کے لیے اپنی بھرپور محنت کی، میرے لئے دلوں کے اندر ارمان رکھے، میرے لئے دعائیں کیں۔ میرے سکون کے لئے انہوں نے تکلیفیں برداشت کیں۔ میرے سونے کے لئے وہ جاگتے رہے۔ دعا گو ہوں کہ، اللہ تعالیٰ میرے والدین کو صحت والی لمبی زندگی عطا فرمائے، اور ان کا سایا تادیر مجھ پر قائم و دائم رکھے۔ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا۔ (بنی اسرائیل 17، 14)

اظہارِ تشکر

سب سے پہلے نظرانہ تشکر اللہ رب العزت کی بارگاہ اقدس میں پیش کرتا ہوں کہ جس نے ہمیں اشرف المخلوقات بنایا اور عَلَّمَهُ الْبَيَانَ کی نعمت سے نوازا 'الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ' اور قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ اور وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمتوں اور نوازشوں سے علم کی دولت اور دین کی سمجھ سے نوازتا ہے۔

اس کے بعد حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں نظرانہ تشکر پیش کرتا ہوں کہ جن کی بدولت ہمیں راہِ ہدایت نصیب ہوئی، اور جنہوں نے ہمیں دین سکھایا، اور جن کی وجہ سے یہ کائناتِ عَالم معرضِ وجود میں آیا۔

اس کے بعد تمام صحابہ اکرام کی بارگاہ میں نظرانہ تشکر پیش کرتا ہوں کہ جن کی وجہ سے علمِ دین ہم تک پہنچا۔

پھر میں اپنے مرشدِ کامل پیر سید کرامت علی حسین شاہ صاحب کا شکر گزار ہوں کہ آپ کی روحانی توجہات اور فیوض وبرکات سے خود کو مالامال کر کے راغب الی الدین ہوا، اور جن کی آنتھک محنت اور سعی جمیلہ کی بدولت قلم پکڑنے کا شوق پیدا ہوا۔

پھر میں اپنے والدین کا ممنون ہوں کہ جنہوں نے علوم اسلایہ کی تحصیل کے لیے ابتداء تاانتہاء میری ہر ضرورت کا خیال رکھا، میری ہر ضرورت کو پورا کیا۔ اور ہر طریقے سے میری مدد فرمائی۔

پھر میں اپنے اساتذہ اکرام کا نہایت مشکور ہوں کہ جن کی شفقت سے نہ صرف مجھے دینِ اسلام کو سمجھنے بلکہ عملی زندگی کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کا بھی موقع ملا۔ اور انہی کی کوششوں کی بدولت میں اس خاکہ کو جامعِ تکمیل تک پہنچاسکا۔

بلخصوص: اپنے شیخ کامل پیر سید کرامت علی حسین شاہ صاحب کا، اور اپنے جمیع اساتذہ اکرام کا بے حد مشکور ہوں کہ جن کی دن دُوگنی اور رات چگنی محنت ومشقت کی بدولت مَیں اپنی اس ناقص کوشش کو تکمیل تک پہنچانے کے قابل ہوا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ میری اس کوشش کو قبول فرمائے اور قارئینِ اکرام کے لیے اسے نافع بنائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

مقدمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ترجمہ: (بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے) اسلام کی ضیابار کرنوں نے ہی لوگوں کے دلوں سے کفر وشرک کی تاریکیوں کو ختم کیا اور اپنی حقانیت کا جھنڈا مشرق و مغرب میں لہرایا لیکن مخالفین اسلام کو یہ برداشت نہ ہوا اور اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، غیر تو غیر ادیان سماویہ کے متبعین بھی ایڑی چوٹی کا زور لگانے لگے۔ ایک زمانہ تھا کہ جب دشمنانِ اسلام کو مٹانے کے لئے جنگی قوتوں کا سہارہ لیا تھا جنگی قوت وطاقت نے جب صلیبی جنگ کا روپ دھارا تو امجاہدینِ اسلام کی تلواریں ایسی بے نیام ہوئیں کہ ساری قوتوں کا خاتمہ ہو گیا۔

جب یہودی اور عیسائی قوت وطاقت کے بل بوتے پر اسلام کو زیر نہ کر سکے تو اسلام کے خاتمہ کے لئے مکرہ فریب کا ایک نیا جال بچھانے کی کوشش میں لگ گئے اور اسلامی افکار ونظریات اور تاریخ وثقافت کی تحقیقات کے نام پر اپنے پیشواؤں کو اس میدان میں لاکر کھڑا کر دیا تاکہ اسلام کے بے داغ شفاف چہرے کو داغدار بنا کر پیش کرنا آسان ہو جائے۔ اور اسلام ہر زاویے سے حملہ کیا جا سکے۔

تحقیقات کی اس ابتداء سے افکار ونظریات کی ایسی جنگ چھڑی ہے جو اب تک چلی آرہی ہے اور انہیں تحقیقات کے پس پردہ استشراق کا جنم ہوتا ہے یہودی اور عیسائی پیشواؤں کے ذریعہ اسلامی افکار ونظریات کی تحقیقات کا جو عمل شروع ہوا تھا وہ آج مشرق میں موجود تمام ادیان کی تحقیقات پر مُحیط ہو چکا ہے۔

استشرق اور مستشرقین اسی سلسلے کی ایک مضبوط کڑی ہے جو یہودیت اور عیسائیت کو سنگم ہے۔ کیوں کہ تاریخ کا جائزہ لینے کے بعد یہی حقیقت واضع ہوتی ہے کہ مستشرقین کی اکثریت یہودی اور عیسائی پیشواؤں کی ہے، عصر حاضر میں اگرچہ دونوں مذہب کے پیشواؤں کا طریقہ کار مختلف ہو چکا ہے لیکن یہ مقصد اصلی (اسلام کے بیخ کنی) کو ایک لمحہ بھی نظر انداز نہیں کرتے ہیں خواہ وہ اسلامی ثروت کی تحقیقات کے نام پر استشراقی تحریک ہو یا خدمتِ انسانی کی نمائش کے نام پر تبشیر (مشزی) کا جال ہو، ہر جگہ استشراقی اور تبشیری روح کار فرما ہوتی ہے۔

مغربی سیاستدانوں نے جہاں اسلامی سلطنتوں کو توڑا وہیں مغربی مفکریں اور مستشرقین نے اسلامی تراث کی تحقیقات کے نام پر اسلام کی اعلیٰ اقدار و روایات، تہذیب وثقافت اور اسلام کی معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی تعلیمات کا چہرا ایسا مسخ کر کے پیش کیا کہ جو سراسر ان کی کوتاہ نظری کا آئینہ دار ہے۔ مستشرقین نے اسلامی تاریخ اور شخصیاتِ اسلام پر ایسی بے بنیاد اور لغو باتیں چسپاں کی ہیں جو کہ ایک منصف محقق کی کسی بھی صورت میں زیب نہیں دیتا ہے۔ قرآن کریم اور احادیثِ طیبہ کی ایسی غلط تشریحات کی ہیں کہ مشرق بڑے بڑے مفکرین ومحققین، امراء اور اور رؤساء انہیں ایک حقیقت سمجھ کر مستشرقین کے دامِ تزویر میں پھنس گئے۔

تعارفِ موضوع

مستشرق یہ 'استشراق' سے ماخوذ ہے جس کا مادہ ہے 'شرق' یہ ضد ہے 'غرب' کی، یہ ثلاثی مزید فیہ کے ابواب میں سے استفعال جس کے وزن پر استشراق بنایا گیا ہے، اس کی ایک خاصیت 'صیرورۃ' اور 'اتخاذ' ہے جس میں بن جانے، اپنانے یا حاصل کرنے کا مفہوم

ہوتا ہے۔اور استشراق کی تعریف جو عام طور پر مشہور ہے وہ یہ ہے:" غیر مشرقی لوگوں کا مشرقی زبانوں، تہذیب، فلسفے، ادب اور مذہب کے مطالعے میں مشغول ہونے کا نام استشراق ہے۔"

تحریکِ استشراق کا آغاز تقریباً تیرہویں صدی عیسوں میں ہوا جب قشتالہ کے بادشاہ "الفونس دہم" نے 1269ء میں مریسیلیا میں اعلیٰ تعلیمات کا ادارہ قائم کیا اور صلیبی جنگوں کا آغاز ہوا۔

اس تحریک کا مقصد اسلام کو نقصان پہنچانا تھا اور دنیا سے اسلام کا خاتمہ کر کے عیسائیت کو پوری دنیا میں پھلانا تھا۔اور چونکہ عیسائیت کے سامنے اسلام ہی ایک مضبوط قلعہ تھا۔عیسائیت کو پھیلنے سے روکنے والے مسلمان ہی تھے تو انہوں نے مسلمانوں کا خاتمہ کرنا چاہا۔اور وہ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ مسلمانوں کا سارا دین ان کی کتاب قرآن پاک میں ہے تو انہوں نے اس میں نکتہ چینی کرنا شروع کی اور اس لاریب کتاب پر طرح طرح کے اعتراض کرنا شروع کر دیئے حتیٰ کہ اس کے وحی الٰہی ہونے سے انکار کر دیا اور قرآنِ پاک کو (نعوذ باللہ) نبی پاک ﷺ کی طرف منسوب کر دیا کہ یہ کتاب انہوں نے خود گھڑی ہے۔

اور انہوں نے یہاں ہی بس نہیں کی کیونکہ وہ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ قرآن پاک کے بعد مسلمانوں کا سارا یقین اور ایمان حدیث نبوی ﷺ پر ہے تو انہوں نے حدیث نبوی ﷺ پر اعتراض کرنا شروع کر دیئے۔کہ محمد ﷺ نے نعوذ باللہ اپنے ذاتی مقاصد کے لیے احادیث گھڑیں۔اور ان کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا۔اور انہوں نے احادیثِ طیبہ پر ہی بس نہیں کی بلکہ نبی رحمت ﷺ کہ جن کو مشرکینِ مکہ اعلانِ نبوت سے قبل بھی صادِق و امین کے لقب سے پکارتے تھے، کی سیرتِ طیبہ، پر بھی مستشرقین نے زہر افشانی کی۔یہاں تک کہ آپ ﷺ کے خاندان، اور آپ ﷺ کے اخلاق کریمہ پر بھی بد کلامی کی، تاکہ کسی طرح سے مسلمانوں کے دل سے اس عظیم ذات کی محبت کو نکالا جا سکے، لیکن ان کی یہ سعی بے سود ہے۔لیکن شاید مستشرقین کو نہیں معلوم ہے کہ جن کاغذی دلائل اور تاریخی حوالوں سے انہوں نے جھوٹ اور تہمت زنی کے افسانے تراشے ہیں، ان سے کہیں زیادہ مضبوط اور مستحکم دلائل آپ ﷺ کی عظمت و رفعت کو ثابت کرنے کے لئے موجود ہیں، بھلا بتائیں! کہ وہ شفاف سیرت و کردار کہ جس کے شہر کی قسمیں کھا کر رب تعالیٰ نے قرآن کریم کو نازل فرمایا ہے۔اور جس کی شان کو اللہ رب العزت نے خود بیان فرمایا ہو، وہ کسی کے کچھ کہنے سے کم نہیں ہو گی بلکہ مزید بڑھے گی کیونکہ ارشاد ربانی ہے: وَ رَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَؕ (الم نشرح 4:94) ترجمہ: (اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا)۔

سابقہ تحقیق کا جائزہ

زیرِ نظر موضوع پر کتابیں تو بہت لکھی گئی لیکن مستقلاً کوئی کتاب کہ جو قرآن وحدیث اور سیرت وسنت پر ہو کہ جس میں مستشرقین کے تمام اعتراضات کا احاطہ کیا گیا ہو۔ چند وہ کتب کہ جو اس موضوع پر لکھی جاچکی ہیں:

1) اسلام اور مستشرقین-------------ڈاکٹر حافظ محمد زبیر
2) اسلام اور مستشرقین--------------مولانا سلیمان شمسی ندوی
3) تحریکِ استشراق----------------کمال احمد علیمی نظامی
4) قرآن حکیم اور مستشرقین-------------ثناء اللہ حسین
5) اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ اور مستشرقین مغرب کا اندازِ فکر-----------ڈاکٹر عبد القادر جیلانی مرتب آصف اکبر

تحقیق کے بنیادی سوالات واہداف

1) تحریکِ استشراق کا آغاز کب ہوا اور کیسے ہوا؟
2) تحریکِ استشراق کا مقاصد واہداف کیا تھے؟
3) مستشرقین کی خدمات کا تنقیدی جائزہ
4) تصوف میں مستشرقین کی خدمات کیا ہیں؟
5) برصغیر اور فتنہ استشراق کیا ہے؟
6) مستشرقین کی خدمات حقیقت ہیں یا فریب؟

منہج تحقیق:

1) زیر نظر مقالہ کا طریقہ کار بیانیہ ہے۔

2) اس میں حوالہ جات شکاگو مینول کے طریقے پر لگائے گئے ہیں۔

3) بنیادی مصادر کے ساتھ ساتھ ثانوی مصادر سے بھی مدد لی گئی ہے۔

4) موضوع کی مزید وضاحت کے لیے الیکٹرانک لائبریریز اور انٹرنیٹ سے بھی مدد لی گئی ہے۔

5) اساتذہ اور جید علماء کرام اور ریسرچ سکالرز حضرات سے بھی مشاورت کی گئی ہے۔

تحدید موضوع:

زیرِ نظر مقالہ میں استشراق کا لغوی و اصطلاحی معنیٰ، اور مستشرقین کے قرآن و حدیث اور سیرت و سنت پر اعتراضات اور اقوال کو مدلل بیان کیا گیا ہے۔

خاکۂ موضوع

بابِ اوّل: استشراق کا لغوی واصطلاحی معنیٰ اور ادوارِ استشراق

فصل اوّل: استشراق کا لغوی واصطلاحی معنیٰ

فصل دوم: ادوارِ استشراق

بابِ دوم: قرآن وحدیث پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ

فصل اوّل: قرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ

فصل دوم: حدیث پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ

بابِ سوم: سیرت وسنت پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ

فصل اوّل: سیرتِ نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ

فصل دوم: سنتِ نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ

بابِ اوّل: استشراق کا لغوی و اصطلاحی معنیٰ اور ادوارِ استشراق

فصل اوّل: استشراق کا لغوی و اصطلاحی معنیٰ

فصل دوم: ادوارِ استشراق

فصلِ اوّل: استشراق کا لغوی و اصطلاحی معنیٰ

تعریفِ استشراق

استشراق کا لغوی معنی

'مستشرق' مشتق ہے استشراق سے ، جس کا مادہ 'شرق' ہے ، جو ضد ہے 'غرب' کی، درحقیقت یہ الفاظ ترجمہ یا چربہ ہیں 'اورینٹیلسٹ' اور 'اورینٹیلم' کا جو 'اورینٹ' سے ماخوذ ہیں، انگریزی میں 'اورینٹ'، ایسٹ' کا ہم معنیٰ ہے، اہل مغرب نے یہ نام اپنے نام نہاد اسکالروں کو دیا ہے جنہوں نے مشرقی علوم وفنون، زبان وادب اور تہذیب وثقافت کو جس میں مذہب بھی آجاتا ہے، اپنی دلچسپی کا موضوع بنایا، اور ان کا خصوصی مطالعہ کر کے براہ راست ان سے واقفیت حاصل کی، عربی میں اس کے لیے کوئی لفظ پہلے سے موجود نہیں تھا، اس لئے جب اس کی ضرورت پیش آئی تو انگریزی ہی کی طرز پر الفاظ وضع کر لئے گئے۔[1]

ثلاثی مزید فیہ کے ابواب میں سے استفعال جس کے وزن پر استشراق بنایا گیا ہے، اس کی ایک خاصیت 'صیرورۃ' اور 'اتخاذ' ہے جس میں بن جانے، اپنانے یا حاصل کرنے کا مفہوم ہوتا ہے، مثلاً 'استحجر الطین' مٹی پتھر بن گئی، 'استوطن القریۃ' بستی کو وطن بنایا 'استفادہ' فائدہ حاصل کرنا، اسی اصول اور قاعدہ کے تحت جب کسی زمانے میں کچھ لوگوں نے باہر سے آکر جزیرۃ العرب میں بودوباش اختیار کی اور وقت گزرنے کے ساتھ وہ بھی عرب ہو گئے، تو ان کو عرب کے قدیم اور اصل باشندوں سے ممیز کرنے کے لئے اسی بابِ استفعال سے کام لے کر ایک لفظ بنایا گیا، 'استعرب' یعنی عرب بن گیا، چنانچہ عرب کی قدیم تاریخ میں 'عرب عاربہ، اور 'عرب مستعرب' کی اصطلاحیں ملتی ہیں، اردو میں اسے اصلی عرب اور نقلی عرب بھی کہہ سکتے ہیں، نئے اور پرانے، سچے اور جھوٹے سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں۔[2]

حاصل کلام یہ ہے کہ از روئے عربی زبان استشراق کے معنیٰ ہوئے بتکلف مشرقی بننا، اور مستشرق کے معنیٰ وہ شخص جس نے بتکلف مشرقیت اختیار کی یا مشرقی بنا، اور ظاہر ہے کہ اس فعل کی نسبت کسی مغربی ہی کی طرف ہو سکتی ہے، خود کسی مشرقی کا مشرقی بننا مہمل سی بات ہے۔[3]

استشراق عربی زبان کے لفظ "شرق" سے مشتق اور ماخوذ ہے اور شرق کا مطلب ہے "مشرق الشمس" یعنی وہ سمت جدھر سے سورج نکلتا ہے۔ لفظ "استشراق" مصدر ہے اور "استفعال" کے وزن پر ہے، اور اس کی اصل ش ر ق ہے۔ جس میں الف سین اور تاء کا اضافہ کر دیا گیا ہے جو عربی زبان میں طلب کرنے اور حالت کے تبدیل ہونے کا معنیٰ دیتا ہے۔ مثلاً استغفر اللہ کا معنیٰ ہے: میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور "استحجر الطین"، "مٹی پتھر میں تبدیل ہو گئی۔ یوں استشراق کا معنیٰ ہوا "مشرق کی طلب" اور مشرق کی طلب ان کے علوم و معارف، افکار و نظریات، مذاہب و دیانات، تہذیب وثقافت اور زبانوں و بولیوں کی طلب کی صورت ہی میں ہو

(1):۔ تحریک استشراق: صفحہ: 25: متبوعہ الغنی پبلشرز، م: کمال احمد علیمی نظامی،
(2):۔ تحریکِ استشراق: صفحہ: 25: متبوعہ الغنی پبلشرز، م: کمال احمد علیمی نظامی،
(3):۔ تحریکِ استشراق: صفحہ: 25: متبوعہ الغنی پبلشرز، م: کمال احمد علیمی نظامی،

گی۔لہذا اس اعتبار سے استشراق کا لغوی معنیٰ مشرق یا عالم مشرق کا علم۔اس،مادے(ش ر ق) سے شروق،اشراق اور شروق وغیرہ بھی بنتے ہیں جن میں طلوع، ظہور، روشن ہونے اور روشن کرنے وغیرہ کے معانی پوشیدہ ہیں۔[1]

محمد شکیب قاسمی" اسلام اور مستشرقین"میں استشراق کا لغوی معنیٰ بیان کرتے ہیں:

"استشراق"عربی زبان کا لفظ ہے،اس کا سہ حرفی مادہ "شرق" ہے جس کے معنیٰ"روشنی"اور"چمک"کے آتے ہیں۔اس لفظ کو مجازی معنوں میں سورج کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح شرق اور مشرق، سورج طلوع ہونے کی جگہ کو بھی کہتے ہیں۔[2]

ابن منظور الافریقی لکھتے ہیں:

"الشرق" الضوٴ والشرق الشمس و روی عمرو عن ابی انه قال الشرق الشمس والشرق الضوٴ الذی یدخل من شق الباب، شرقت الشمس تشرق شروقا و شرقا طلعت و اسم الموضع المشرق،[3]

لفظ"شرق"کو جب باب استفعال کے وزن پر لایا جائے تو"ا،س،ت،کے اضافے سے"استشراق"سے مراد مشرق کی طلب ہے۔عربی لغات کی رو سے مشرق کی یہ طلب علوم شرق، آداب، لغات اور ادیان تک محدود ہے۔

یہ ایک نیا لفظ ہے جو قدیم لغات میں موجود نہیں ہے۔انگریزی زبان میں "مشرق" کے لئے "Orient"اور "استشراق" کے لئے"Orientalism"اور"مستشرق" کے لئے "Orientalism"کے الفاظ آتے ہیں۔[4]

استشراق کے مقابلے میں انگریزی اور یورپین زبانوں میں "Orientalism" کا لفظ استعمال ہوتا ہے اس لفظ کی تفہیم بھی استشراق کے معنیٰ کی تعین میں مددگار ہوتی ہے،لفظ "Orient"کا معنیٰ ہے مشرق اور یہ لفظ لاطینی زبان کے "Oriens"سے بنا ہے جو شروق(Rising)کے معنیٰ پر مشتمل ہے۔لاطینی زبان میں اس کا استعمال کسی چیز کے علم اور اس کی طلب کے لئے بھی ہوتا ہے۔ فرانسیسی اور انگریزی زبانوں میں "Orientalion" کا لفظ رہنمائی و تربیت اور ہدایت و ارشاد کے لئے بھی ہوتا ہے۔ بلخصوص فکری اور روحانی تربیت کے لئے ہوتا ہے۔کیونکہ مشرق ہمیشہ سے روحانی و اخلاقی علوم و افکار کا سرچشمہ رہا ہے۔اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہی یورپین زبانوں میں مشرق کے لئے"Morgeland"کا استعمال ہوتا ہے جس کا معنیٰ ہے صبح،نور اور بیدای کی زمین، اور اس کے مقابلے میں مغرب کے لیے"Abend Land"کا استعمال کیا جاتا ہے۔ جس کا معنی ہے تاریکی اور راحت کی زمین۔[5]

اردو زبان میں اس کے لئے "شرق شناسی" کی اصطلاح اختیار کی گئی ہے، جو اس کے مفہوم و مقصد کو پوری طرح سے واضع کرنے کے قابل نہیں ہے مغربی لغات میں استشراق صرف جغرافی مفہوم میں مشرق کی طلب کے لئے استعمال نہیں ہوتا بلکہ روشنی،

(1):۔ تفہیم استشراق: صفحہ:16: مطبوعہ ورلڈ ویو پبلشرز،م: ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی

(2):۔اسلام اور مستشرقین، صفحہ:8: حجۃ الاسلام اکیڈمی،م: محمد شکیب قاسمی

(3):۔اسلام اور مستشرقین، صفحہ:8: حجۃ الاسلام اکیڈمی،م: محمد شکیب قاسمی

(4):۔اسلام اور مستشرقین، صفحہ:8: حجۃ الاسلام اکیڈمی،م: محمد شکیب قاسمی

(5):۔ تفہیم استشراق: صفحہ:16: مطبوعہ ورلڈ ویو پبلشرز،م: ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی

نور اور ہدایت کی طلب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ڈاکٹر مازن بن صلاح مطبقانی نے لفظ "Orient" کے بارے میں سید محمد شاہد کی تحقیق کا ذکر اپنی کتاب اس طرح کیا ہے:

"شرق" "Orient" انه یشار الی منطقة الشرق المقصودة بالدراسات الشرقية بكلمة تتميز بطابع معنوى وهو "Morgenland" وتعنى بلاد الصباح ، ومعروف ان الصباح تشرق فيه الشمس ، وتدل هذه الكلمة على تحول من المدلول الجغرافى الفلكى الى التركيز على معنى الصباح الذى يتضمن من النور واليقظة، وفى مقابل ذالك نستخدم فى اللغة كلمة "Abendland" وتعنى بلاد المساء لتدل على الظلام والراحة، وفى اللاتينية تعنى كلمة "Orient" يتعلم اويبحث عن شىء ما، وبالفرنسية تعنى كلمة "Orienter" وجه اوهدى اوارشد." [1]

لفظ استشراق کا پہلی مرتبہ استعمال

آرتھر جان آربری Arthur John Arberry (متوفی 1929ء) کے مطابق 1630ء میں پہلی دفعہ لفظ مستشرق یونانی یا عیسائی کلیسا کے ایک پادری کے لیے استعمال ہوا۔ میکسیما ہوداسن Maxime Rodinson (متوفی 2004ء) کے مطابق یہ لفظ 1799ء میں فرنچ اور 1838ء میں انگریزی زبان میں پہلی بار استعمال ہوا۔ڈاکٹر عمر بن ابراہیم رضوان کا کہنا ہے کہ انگریزی زبان میں 'Orientalisat' کے لفظ کا پہلی دفعہ استعمال 1779ء میں ہوا بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ 1691ء میں 'صموئیل کلاک' Samuel Clarke (متوفی 1729ء) نے 'انتھونی وڈ' Anthony Wod (متوفی 1643ء) کو 'استشراقی' کا نام دیا۔[2]

استشراق (Orientalism) اور مستشرق (Orientalist) کی اصطلاحیں لفظ کے لحاظ سے بہت پرانی نہیں ہیں۔ انگریزی زبانوں آدب میں ان کا استعمال اپنے مخصوص اصطلاحی معنوں میں اٹھارویں صدی کے اواخر میں شروع ہوا، یعنی اٹھارویں صدی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ استشراق (Orientalism) اور مستشرق (Orientalist) کی اصطلاح کا رواج اسی زمانہ سے ہوا۔[3]

تحریکِ استشراق صدیوں مصروف عمل رہی لیکن اس تحریک کا کوئی باضابطہ نام نہ تھا۔ اربری کہتا ہے کہ (Orientalist) کا لفظ پہلی مرتبہ 1630ء میں مشرقی یا یونانی کلیسا کے ایک پادری کے لئے استعمال ہوا۔ انگلستان میں تقریباً 1779ء کے قریب "مستشرق" کی اصطلاح رائج ہوئی اور پھر جلد ہی "استشراق" نے بھی رواج پایا۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد 1838ء میں فرانس سے شائع ہونے والی اس لغت میں بھی یہ اصطلاح درج کی گئی جس کا نام تھا Dictionnairo del Academic Francaise (فرانسیسی کی لغت علمی) اور اس میں لفظ (Orientalism) درج ہوا۔[4]

---

(1):۔ اسلام اور مستشرقین، صفحہ:8،9: حجۃ الاسلام اکیڈمی، م: محمد شکیب قاسمی

(2):۔ اسلام اور مستشرقین، صفحہ:6، رحمۃ للعالمین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر،

(3):۔ قرآن حکیم اور مستشرقین: صفحہ،20: کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، م: ثناء اللہ حسین، کوڈ نمبر، (4576)

(4):۔ قرآن حکیم اور مستشرقین: صفحہ،20: کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، م: ثناء اللہ حسین، کوڈ نمبر، (4576)

استشراق کا لفظ قدیم عربی لغت میں مفقود ہے، اور موجودہ مفہوم میں بھی عربوں میں کبھی اس کا استعمال نہیں رہا، بلکہ یہ لفظ غیر مسلم مفکرین کا وضع کردہ ہے ، جس کے لئے عربی میں استشراق کا لفظ استعمال کی گیا۔ Orient بمعنیٰ مشرق اور Orientalism کے معنی شرق شناسی یا مشرقی علوم وفنون اور ادب میں مہارت حاصل کرنے کے ہیں۔[1]

مستشرق (استشراق کے فعل سے اسم فاعل) سے مراد ایک ایسا شخص جو بتکلف مشرقی بنتا ہو۔[2]

لفظ استشراق کا ظہور انگریزی زبان میں پہلی بار 1811ء میں ہوا، فرانسیسی زبان میں پہلی بار 1830ء میں ہوا۔[3]

استشراق اور مستشرق کی لغوی تحقق کے بعد آیئے دیکھتے ہیں کی استشراق اور مستشرق کی اصطلاحی تعریف و تحقیق کیا ہے۔

استشراق کا اصطلاحی معنیٰ و تعریف

استشراق کی تعریف جو عام طور پر مشہور ہے وہ یہ ہے:

"غیر مشرقی لوگوں کا مشرقی زبانوں، تہذیب، فلسفے، ادب اور مذہب کے مطالعے میں مشغول ہونے کا نام استشراق ہے۔"[4]

اس تعریف کی رو سے جو غیر مشرقی عالم، مشرقی علوم کے لئے اپنے آپ کو وقف کرے گا، اسے مستشرق کہا جائے گا۔

آکسفورڈ کی جدید ڈکشنری میں مستشرق کی تعریف

آکسفورڈ کی جدید ڈکشنری میں مستشرق کی جو تعریف بیان کی گئی ہے:

"مستشرق وہ ہے جو مشرقی علوم و آداب میں مہارت حاصل کرے۔"[5]

ڈاکٹر عبد الحمید غراب نے اپنی کتاب "رویۃ اسلامیۃ للاستشراق" میں استشراق کا تعارف کرواتے ہوئے لکھا ہے کہ: "استشراق" مغربی اسلوبِ فکر کا نام ہے جس کی بنیاد مشرق و مغرب کی نسلی تقسیم کے نظریے پر قائم ہے، جس کی رو سے اہل مغرب کو اہل مشرق پر نسلی اور ثقافتی برتری حاصل ہے"

مذکورہ کتاب میں ہے:

"المنجد" میں استشراق کی تعریف

"العالم باللغات والاداب والعلوم الشرقیۃ" اور ضیاء النبی میں پیر کرم شاہ صاحب نے یہ الفاظ زیادہ ذکر کیے ہیں والاسم الاستشراق:

---

(1):۔ استشراق اور مستشرقین: صفحہ ،12: م، مولانا محمد اسمعیل، ناشر: تفہیم دین اکیڈمی حیات آباد پشاور

(2):۔ استشراق اور مستشرقین: صفحہ ،12: م، مولانا محمد اسمعیل، ناشر: تفہیم دین اکیڈمی حیات آباد پشاور

(3):۔ تحریکِ استشراق: صفحہ :26: متبوعہ الغنی پبلشرز، م: کمال احمد علیمی نظامی

(4):۔ ضیاء النبیء ﷺ ج،6: صفحہ :119، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، تحریکِ استشراق: صفحہ :26: متبوعہ الغنی پبلشرز، م: کمال احمد علیمی نظامی قرآن حکیم اور مستشرقین: صفحہ ،20: کلیہ عربی و علوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، م: ثناء اللہ حسین،

(5):۔ ضیاء النبیء ﷺ ج،6: صفحہ :119، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، تحریکِ استشراق: صفحہ :26: متبوعہ الغنی پبلشرز، م: کمال احمد علیمی نظامی،

یعنی مشرقی زبانوں، آداب اور علوم کے عالِم کو مستشرق کہا جاتا ہے۔ اور اس علم کا نام استشراق ہے۔[1]

(Collinggem English Dictionary) میں مستشرق کا مفہوم یہی بتایا گیا ہے:

"An expert in eastern languages and history "

"یعنی مستشرق وہ ہے جو مشرقی زبانوں اور تاریخ کا ماہر ہو"۔[2]

استشراق کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں جو عموماً تعریف کرنے والے کے ذوق و مشرب اور علمی و فکری رجحان کی ترجمانی کرتی ہیں۔

استشراق و مستشرق کی چند تعریفات حسب ذیل ہیں:

میکسم روڈنسن(MAXIME RODENSON)

"مطالعہ مستشرق کے لیے علم کی مخصوص قسم کا نام استشراق ہے۔"

ایڈورڈ سعید(EDWARD W. SAID)

"استشراق: مشرق پر تسلط و غلبہ پانے اور اس پر اقتدار حاصل کرنے کے مغربی اسلوب کا نام ہے۔"

محمود زقزوق

"عالم مشرق کے علم کو استشراق کہتے ہیں۔ اس کے دو معنیٰ ہیں: عام اور خاص، عام معنیٰ میں استشراق کا اطلاق مشرق سے متعلق ان تمام مطالعوں پر ہوتا ہے جو کسی مغربی عالم کے ذریعے ہو، خواہ وہ مطالعہ مشرق بعید کا ہو، مشرق اوسط کا ہو یا مشرق قریب کا، خواہ وہ مطالعہ مشرق کی زبان و عادات سے متعلق ہو، یا تہذیب و ادیان سے متعلق ہو۔ اور دوسرے معنوں میں استشراق کسی بھی مغربی اسکالر کے ان مطالعوں کو کہتے ہیں جو اسلام کی زبانوں، عادتوں، تاریخ اور عقیدے سے متعلق ہو۔"

مستشرق آربری(ARTHER ARBERRY)

"مستشرق وہ ہے جو مشرقی زبانوں اور آداب کا ماہر ہے۔"

عبدالوھاب حمودہ

"مستشرق ہر وہ مغربی شخص ہے جو مشرق کی کسی زبان کے مطالعے کے لیے خود کو وقف کر دے، جیسے فارسی، تُرکی، ہندی یا عربی وغیرہ، اور اس کے ادب کی گہرائی سے جانچ کرے تاکہ اس کے ذریعہ وہ اس مشرقی قوم یا اقوام کے اخلاق و عادات، علوم و آداب اور تاریخ و مذاہب کی معرفت حاصل کر سکے۔"

---

(1):۔ تحریک استشراق: صفحہ 27، مطبوعہ الغنی پبلشرز، م: کمال احمد علیمی نظامی، ضیاء النبی ﷺ: ج:6، صفحہ:119: مطبوعہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

(2):۔ ضیاء النبی ﷺ: ج:6، صفحہ:119: مطبوعہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

مرکز مدینہ برائے استشراقی مطالعات

”استشراق اہل مغرب اور امریکہ کے ذریعہ صادر ہونے والے تمام فکری اور نشریاتی اعمال اور وہ سیاسی اور جاسوسی رپورٹیں ہیں جن کا تعلق اسلام اور مسلمانوں کے امور سے ہے۔ جیسے عقیدہ و شریعت، سماج و سیاست اور فکر و فن وغیرہ۔ ہم استشراق سے ان تحریروں کو بھی ملحق کر سکتے ہیں جو عرب کے وہ قبطی اور مارونی عیسائی وغیرہ لکھتے ہیں جو اسلام کو مغربی چشمے سے دیکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان مسلم اسکالرز اور مصنفین کی کتابوں اور مقالات کو بھی استشراق سے ملحق کر سکتے ہیں جنہوں نے مستشرقین سے تعلیم پائی ہے اور ان کے افکار کے حامل ہیں۔“

اور جامع تعریف بیان کرتے ہیں:

جامع تعریف

”غیر سفید فام مشرق کے بارے میں اہل مغرب کے مطالعات، خواہ ان کا تعلق کسی بھی موضوع سے ہو اور چاہے وہ کسی بھی مقصد کے تحت کیے گئے ہوں۔“ (1)

ادریس حامد محمد اپنی مشہور کتاب ”آراء المشرقین حول مفھوم الوحی“ میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

واقرب تعريف واشمله هو: دراسات غير المشرقيين لحضارات الشرق وآداب ولغاته وعلومه واتجاهاته النفسية واحواله الاجتماعية، وبالتالي يصبح المستشرق هو العالم المتمكن من المعارف الخاصة بالشرق ولغابه،

والمستشرقون هم الباحثون الذين نذروا انفسهم لدراسات الشرق القديم والمعاصر — يتضح من هٰذه التعريفات ان الاستشراق معناه: الاشتغال بالدراسات الشرقية عامة والدراسات الاسلامية خاصة۔

لكن الذى ينبغى لفت الانتباه له مما يغفل عنه كثير من الباحثين ان الاستشراق هو: اشتغال غير المسلمين بعض النظر عن وجهتهم الجغرافية وانتماء الدينية والثقافية والفكرية، فهم يتكلمون ويكتبون عن دينٍ لا يدينون به، فليس غريباً ان يدفعهم اختلاف الدين الى التعصب الشديد والحملة عليا،

ترجمہ: استشراق کی جامع تعریف اس طرح ہے کہ غیر مشرقی عالم مشرقی تہذیب، آداب، زبانوں، تاریخ، علوم، انسانی قدروں، اجتماعی حالت، اور امکانات کا گہرا مطالعہ کریں، اس کے نتیجے میں مستشرق مشرقی علوم اور زبانوں کا عالم ہوتا ہے۔ اور مستشرقین وہ لوگ ہیں، جنہوں نے اپنے آپ کو پرانی اور جدید مشرق کے Study کے لئے وقف کیا ہوا ہوتا ہے۔ ان تعریفوں سے استشراق کے معنیٰ یوں واضح ہو جاتے ہیں:

”مغربیوں کا مشرقی علوم کا عموماً اور اسلامی علوم کا خصوصاً مطالعہ میں مشغول ہونا“

(1):۔ تفہیم استشراق: صفحہ: 22،21،20: مطبوعہ ورلڈ ویو پبلشرز، م: ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی

لیکن یہاں جس بات کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے ، اور اس سے بہت سارے محققین غافل رہتے ہیں ، کہ استشراق دراصل غیر مسلموں کا مسلمانوں کے علوم کے حصول کا نام ہے ، قطعِ نظر اس سے کہ ان کا جغرافائی تعلق کیا ہے ، اور ان کا دین ، ثقافت اور فکر کیا ہے۔ تو در حقیقت یہ مستشرقین ایسے دین کے بارے میں بحث کرتے ہیں اور لکھتے ہیں جس کو یہ خود اپنا دین نہیں بناتے ، تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ یہ دینی اختلاف ان کو شدید تعصب کی طرف دھکیل دے۔[1]

پیر کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ تعریف

ڈاکٹر احمد عبدالحمید غراب نے اپنی کتاب "رویۃ اسلامیۃ للاستشراق" میں کچھ تعریفیں لکھی ہیں جن میں سے چند ایک پیش خدمت ہیں:

1) استشراق، مغربی اسلوبِ فکر کا نام ہے جس کی بنیاد مشرق و مغرب کی نسلی تقسیم کے نظریے پر قائم ہے ، جس کی رو سے اہل مغرب کو اہل مشرق پر نسلی اور ثقافتی برتری حاصل ہے۔

2) یہ تعریف گو ہر مستشرق کی ذہنی کیفیت کو ظاہر کرتی ہے لیکن اس تعریف کی رو سے اگر دیکھا جائے تو آج سارا یورپ اور امریکہ مستشرق کہلائے گا کیونکہ جب سے مغرب نے صنعتی اور عسکری میدان میں ترقی کی ہے اور ایک عرصہ انہوں نے اہل مشرق کو زیرِ نگین رکھا ہے ، اس وقت سے سارا مغرب اسی انداز میں سوچتا ہے۔ اس صورت میں یہ تعریف استشراق کی تحریک کو سمجھنے کے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکتی۔

3) استعماری مغربی ممالک کے علماء اپنی نسلی برتری کے نظریے کی بنیاد پر ، مشتق پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے اس کی تاریخ ، تہذیبوں ، ادیان ، زبانوں ، سیاسی اور اجتماعی نظاموں ، ذخائر دولت اور امکانات کا جو تحقیقی مطالعہ غیر جانبدارانہ تحقیق کے بھیس میں کرتے ہیں اسے استشراق کہا جاتا ہے۔

4) استشراق اس مغربی اسلوب کا نام ہے جس کا مقصد مشرق پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے ، اس کی فکری اور سیاسی تشکیل نو کرنا ہے۔

آخری دونوں تعریفیں گو مستشرقین کے استعماری اور استحصالی ارادوں کا پتہ دیتی ہیں لیکن ان کے سینوں میں چھپی ہوئی اس حقیقی خواہش کی طرف اشارہ نہیں کرتیں جس کا پردہ ہمارے علیم و خبیر رب نے صدیوں پہلے چاک کر دیا تھا:

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (آل عمران 3، 69)

ترجمہ: (کتابیوں کا ایک گروہ دل سے چاہتا ہے کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کر دیں اور وہ اپنے ہی آپ کو گمراہ کرتے ہیں اور انہیں شعور نہیں)

ڈاکٹر عبدالحمید غراب نے مندرجہ بالا تعریفیں مع تبصرہ ذکر کرنے کے بعد استشراق کی جو تعریف خود کی ہے وہ یہ ہے:

(1):۔ استشراق اور مستشرقین: صفحہ، 14:15: م، مولانا محمد اسمعیل، ناشر: تفہیم دین اکیڈمی حیات آباد پشاور

"مغربی اہل کتاب، مسیحی مغرب کی اسلامی مشرق پر نسلی اور ثقافتی برتری کے زعم کی بنیاد پر، مسلمانوں پر اہل مغرب کا تسلط قائم کرنے کے لئے مسلمانوں کو اسلام کے بارے میں گمراہی اور شک میں مبتلا کرنے اور اسلام کو مسخ شدہ صورت میں پیش کرنے کی غرض سے، مسلمانوں کے عقیدہ، ثقافت، شریعت، تاریخ، نظام اور وسائل و امکانات کا جو مطالعہ غیر جانبدارانہ تحقیق کے دعوے کے ساتھ کرتے ہیں اسے استشراق کہا جاتا ہے۔"

یہ تعریف گو مستشرقین کے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں عزائم کا پردہ چاک کرتی ہے لیکن اس تعریف میں ایک تو مشرق کے لفظ کو وہ اہمیت نہیں دی گئی جس کا وہ مستحق ہے کیونکہ اسی کی بنیاد پر مستشرقین کو مستشرق کہا جاتا ہے۔ اس تعریف میں دوسری خامی یہ ہے کہ اس کی رو سے تمام مستشرقین ایک ہی زمرے میں شمار ہو جاتے ہیں حالانکہ مستشرقین کو بڑی آسانی سے کئی گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اس تعریف میں تیسری خامی یہ ہے کہ جو مستشرقین اسلام کے علاوہ دیگر مشرقی علوم اور تہذیبوں کے میدان میں مصروف عمل ہیں وہ مستشرقین کے دائرے سے خارج ہو جاتے ہیں حالانکہ معروف معنوں میں وہ مستشرق ہیں۔[1]

ڈاکٹر شرف الدین اس تعریف "العالم باللغات والاداب والعلوم الشرقية" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کیا ہم مشرق سے تعلق رکھنے والے ایسے کسی عالم کو مستشرق کہہ سکتے ہیں جو مشرقی علوم والسنہ کا جاننے والا ہو، اسی طرح کیا ہم کسی ایسے مسلمان کو مستشرق کہہ سکتے ہیں خواہ اس کا تعلق مغرب سے ہی کیوں نہ ہو، ظاہر ہے نہیں کہہ سکتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ اصطلاحاً یا عرفاً یہ لفظ مخصوص ہے ان غیر مسلم علمائے مغرب کے لئے، جو مشرقی زبانوں اور علوم و آداب میں دلچسپی رکھتے ہوں۔ خود مشرقی زبانوں اور علوم و آداب میں بھی تحدید کی ضرورت ہے، مشرق سے تعلق رکھنے والی غیر مسلم زبانوں، غیر اسلامی علوم و فنون اور اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کے عالم کو بھی مستشرق نہیں کہہ سکتے، چاہے وہ کوئی غیر مسلم اور مغربی ہی کیوں نہ ہو، سنسکرت، ہندومت اور بدھ مت کے کسی عیسائی مغربی اسکالر کو کوئی مستشرق نہیں کہہ سکتا، تو گویا بات یہاں تک پہنچی کہ مستشرق مغرب کے ان غیر مسلم خاص کر یہودی اور عیسائی اسکالروں کو کہتے ہیں جو اسلام اور اسلامی علوم، اسلامی زبانوں اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے مطالعہ میں خصوصی دلچسپی لیتے ہیں۔"[2]

ڈاکٹر عمر فروخ بھی جزوی طور پر اسی نظریئے کے موید ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

"فالمستشرق اذن غربي غير مسلم "من اوربا او اميركا" يدرس اللغة العربيه وبعض وجوه الثقافة الاسلامية۔"[3]

معلوم ہوا کہ مستشرق وہ غیر مسلم مغربی عالم ہے جو عربی زبان اور اسلامی تہذیب کے کسی رخ کا مطالعہ کرے۔

مستشرقین اور استشراق کی صحیح تعریف کرنے کے لئے لفظ "مستشرق" کا وہ مفہوم بڑا معاون ثابت ہو سکتا ہے جو رودی بارت نے بیان کیا ہے۔

(1):۔ ضیاء النبی ﷺ ج،6: صفحہ:119، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

(2):۔ تحریکِ استشراق: صفحہ:27، مطبوعہ الغنی پبلشرز، م: کمال احمد علیمی نظامی،

(3):۔ تحریکِ استشراق: صفحہ:28، مطبوعہ الغنی پبلشرز، م: کمال احمد علیمی نظامی،

ڈاکٹر محمد ابراہیم الفیومی رودی بارت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مستشرقین کے عرف میں لفظ "مستشرق" کا جغرافیائی مفہوم مراد نہیں بلکہ ان کے ہاں مشرق سے مراد زمین کے وہ خطے ہیں جن پر اسلام کو فروغ حاصل ہوا۔[1]

محمد شکیب قاسمی صاحب "اسلام اور مستشرقین" میں استشراق کی اصطلاحی تعریف یوں تحریر فرماتے ہیں:

استشراق کا عام فہم اور فوری ذہن میں آنے والا مفہوم یہ ہے کہ مغرب کے رہنے والے علماء و مفکرین جب مشرقی علوم و فنون کو اپنی تحقیق و تفتیش کا مرکز و محور بنائیں گے تو اسے استشراق کہا جاتا ہے۔[2]

استشراق کی ابتداء

استشراق کی ابتداء عربی زبان وادب اور خصوصاً اسلام کے مطالعے سے ہوئی، پھر یورپین استعماری تحریکوں کو جب مسلمانوں کے علاقوں اور ثقافتی وتہذیبی معلومات کی ضرورت پڑی، جو استعمار کے راستے میں حائل بہت ساری رکاوٹوں کا حل تھا، یہ معلومات کچھ اس طرح تھیں: کہ مسلمانوں کے حساس مسائل کیا ہیں، جن سے مسلمانوں کو اشتعال دلا کر ان کو ایک دوسرے سے لڑایا جاسکتا ہے، اس کے لئے انہوں نے انہی مستشرقین کی مدد لی، اور اس کے بدلے انہوں نے ان مستشرقین کی پوری سرپرستی کی، اور ان کے اہداف ومقاصد (مشرقی علوم کی سٹڈی وغیرہ) کو وسعت دی، اور مشرق سے مراد صرف جغرافیائی مشرق نہیں بلکہ اسلام اور مسلمان جہاں جہاں رہ رہے ہیں، مراد لیا گیا۔ جس میں مسلمانوں کے رسم ورواج، ان کے مذہبی رجحانات، اور تاریخ وتمدن کی خصوصی تحقیقات شامل ہو گئیں۔ صوفی ازم کو اسلام کے حقیقی شکل میں پیش کیا گیا، جبکہ حقیقی اسلام کو انتہا پسندی، دہشت گردی، سخت گیری اور تشدد جیسے نام دیئے گئے۔ اسلامی علوم کو سٹڈی کر کے اُن کمزور، ضعیف اور حتیٰ کہ موضوع روایات کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی، جن سے اِن کے مقاصد کی تکمیل ہو سکتی تھی۔ اور اسی طرح استشراق کا لفظ ترقی کے منازل طے کرتا ہوا اپنے اصطلاحی مفہوم سے نکل کر استعمار اور تبشیر کے لئے آلہ کار کی حیثیت اختیار کر گیا، اور ان کے مختلف مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے استشراق اپنی اصل شکلیں بدلتا رہا، اور رہا ہے۔[3]

یہ بات یقینی طور پر تو معلوم نہیں ہے کہ کون سا وہ مغربی شخص ہے جو مشرقی علوم کے مطالعہ کی طرف سب سے پہلے متوجہ ہوا اور نہ ہی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ کس وقت مغرب کے لوگوں نے مشرقی علوم کے مطالعہ کا آغاز کیا۔ لیکن تاریخی حقائق سے ان باتوں کا ضرور انکشاف ہوتا ہے کہ بعض مغربی راہب اندلس (اسپین) کی عظمت وترقی اور شان وشوکت کے دور میں اندلس آئے اور وہاں کے مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے لگے انہوں نے مختلف علوم وفنون خصوصاً فلسفہ، طب اور ریاضی کی تعلیم علمائے اسلام سے حاصل کی، اور قرآن کریم اور دیگر عربی کتابوں کا اپنی زبان میں ترجمہ کیا۔[4]

(1):۔ضیاء النبی ﷺ ج،6: صفحہ:122، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

(2):۔اسلام اور مستشرقین، صفحہ:9: حجۃ الاسلام اکیڈمی، م: محمد شکیب قاسمی

(3):۔استشراق اور مستشرقین: صفحہ،16:17: م، مولانا محمد اسمعیل، ناشر: تفہیم دین اکیڈمی حیات آباد پشاور

(4):۔اسلام اور مستشرقین، صفحہ:11: حجۃ الاسلام اکیڈمی، م: محمد شکیب قاسمی

عصر حاضر میں مستشرق کی متبادل اصطلاحات

بیسوی صدی عیسوی کے نصف ثانی میں عالم اسلام میں تحریکِ استشراق اور مستشرقین کی جو خبر لی گئی ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب مستشرقین اپنے لئے ''مشرق'' یا 'Orientalist' کا لفظ پسند نہیں کرتے ہیں۔ 1973ء میں پیرس میں مستشرقین کی ایک عالمی کانفرس بعنون ''المؤتمرات العالمیۃ للدراسات الآسیوۃ والشمال افریقیا'' منعقد ہوئی جس میں اس اصطلاح کو ترک کرنے کا اتفاق فیصلہ ہوا۔ اور آئندہ کے لئے مستعربون (Arabists) یا اسلامیون (Ialamists) یا باحثون فی العلوم الانسانی (Humanist) یا ماہرین مطالعہ ممالک (Area Studies Experts) وغیرہ جیسی اصطلاحات استعمال کرنے پر اتفاق ہوا۔

اطالوی نژاد امریکی مستشرق جان لی ایسپوزیٹو John L Esposito کا کہنا ہے کہ اسے یہ بالکل بھی پسند نہیں ہے کہ اسے 'Orientalist' نام سے پکارہ جائے بلکہ وہ اپنے آپ کو (Ialamist) کہلوانا پسند کرتا ہے۔[1]

تعریفات کا تحقیقی جائزہ

ان تمام تعریفوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشرقی علوم و ثقافت اور ادب کا مطالعہ استشراق کہلاتا ہے، لیکن اگر اس مفہوم کو مان لیا جائے تو چند سوال پیدا ہوتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ دنیا میں اس وقت اسلام کے علاوہ دو بڑے مذاہب یہودیت اور عیسائیت ہیں۔ ان دونوں مذاہب کے انبیاء اور ان کے ابتدائی پیروکاروں کا تعلق مشرق سے ہے۔ تورات و انجیل میں بیان کئے گئے تمام حالات و واقعات اور مقامات کا تعلق بھی مشرق سے ہے۔ لیکن اس کے باوجود بائیبل یا عسائیت و یہودیت کے عالمانہ مطالعے کو کوئی بھی استشراق کے نام سے موسوم نہیں کرتا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ استشراق کی اس تحریک کے مقاصد سراسر منفی ہیں، مستشرقین اپنے ان مقاصد کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا بنیادی مقصد اسلام اور اس کی تعلیمات کو شکوک و شبہات سے دھندلا کرنا، مسلمانوں کو گمراہ کرنا اور غیر مسلم لوگوں کے سامنے اسلام کا منفی تصور پیش کرکے انہیں اسلام قبول کرنے سے روکنا ہے۔[2]

(1):۔ اسلام اور مستشرقین، صفحہ: 6،7، رحمۃ للعالمین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر،

(2):۔ اسلام اور مستشرقین، صفحہ: 10: حجۃ الاسلام اکیڈمی، م: محمد شکیب قاسمی

فصل دوم: ادوارِ استشراق

ادوارِ استشراق

تحریکِ استشراق کی تاریخ کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے اسے مختلف ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے ۔پروفیسر خلیل احمد نظامی صاحب نے اپنے ایک مقالے میں(جو انہوں نے 1982ء میں اعظم گڑھ میں اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر منعقد ہونے والے سیمینار میں پڑھا تھا)مستشرقین کی تاریخ کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے ۔اور علامہ پیر کرم شاہ الازہری صاحب نے اپنی کتاب "ضیاء النبی"میں اور علامہ کمال احمد نظامی صاحب نے اپنی کتاب "تحریکِ استشراق" میں چھ ادوار میں تقسیم کیا ہے۔جب ہم تحریکِ استشراق کا بغور مطالعہ کریں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریک چھ ادوار پر مشتمل ہے،جن کا جائزہ ذیل میں مذکور ہے۔

پہلا دور

مستشرقین کی تاریخ کا پہلا دور اس زمانے پر مشتمل ہے جب یورپ جہالت کی تاریکیوں میں سر سے پاؤں تک ڈوبا ہوا تھا اور ادھر اندلس اور سسلی میں مسلمانوں نے علم کے وہ چراغ روشن کر دیئے تھے جن کی روشنی اندھیروں میں بھٹکنے والے اہل مغرب کو بھی دعوت نظارہ دینے لگتی تھی۔

اس دور میں اہل مغرب مسلمانوں کے علوم کی طرف بالکل اسی انداز میں متوجہ ہوئے تھے جس طرح آج پسماندہ اور ترقی پزیر قوموں کے لوگ ترقی یافتہ اقوام سے علم و تہذیب کا درس لینے کے لئے ان کے علمی مراکز کا رخ کرتے ہیں۔

اس دور کی خصوصیت یہ ہے کہ اہل مغرب نے اس زمانے میں اندلس اور سسلی وغیرہ کے علمی مراکز کا رخ کیا۔وہاں علم حاصل کیا۔مسلمانوں کے علوم کے یورپی ترجمے کئے۔تراجم کے اس کام میں ہر قسم کا مواد شامل تھا۔فلسفے ،ریاضی، طب، ہیئت اور دیگر علومِ عقلیہ کی کتابیں بھی عربی سے مختلف یورپی زبانوں میں منتقل ہوئیں اور اس کے ساتھ ساتھ قرآنِ حکیم اور دینی موضوعات کی دیگر کتابوں کو بھی یورپی زبانوں میں منتقل کیا گیا۔

مسلمانوں کی دیکھا دیکھی یورپ کے مختلف ممالک میں علمی مراکز بھی قائم ہوئے۔کلیسا، جس کی تاریخ علم دشمنی کے واقعات سے بھری پڑی ہے،اس نے اپنے رویہ میں تبدیلی کی۔کلیسا نے نہ صرف مدارس کے قیام کی اجازت دی بلکہ اس نے خود علمی ادارے قائم کئے۔عیسائیوں نے ایسے ادارے قائم کئے تھے اور یورپ کے دیگر ممالک میں بھی۔یورپ میں علم دوستی کی یہ لہر بھی مسلمانوں کی مرہون منت ہے۔کیونکہ اہل یورپ نے مسلمانوں کی قوت و شوکت کا راز معلوم کرنا چاہا تو انہیں معلوم ہوگیا کہ اس امتِ وسط کی شوکت کا راز علم میں مضمر ہے ۔اس حقیقت کو جان لینے کے بعد اہل یورپ نے عموماً اور کلیسا نے خصوصاً یورپ کو علم کے زیور سے آراستہ کرنے کے لئے کاروائیاں شروع کر دیں۔یورپ میں جو تعلیمی اور تدریسی کوششیں شروع ہوئیں ان کے نتیجے میں بڑے بڑے علماء آمنے سامنے آئے جنہوں نے بعد میں یورپ کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔[1]

(1):۔ضیاء النبی ﷺ ج،6: صفحہ:132،131، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

اس دور کا تعلق اس زمانے سے ہے جب مسلمانوں نے اندلس کو علم و حکمت اور تہذیب و تمدن کا مرکز بنا دیا تھا، اور اہل مغرب اس شمع علم سے اکتسابِ نور یا اس شمع کو بجھانے کے لئے جوق در جوق اندلس کا رخ کر رہے تھے۔[1]

اس دور میں چند شخصیات اور ادارے تھے، جنہوں نے یورپ کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔

پہلے دور کے اہم مستشرقین

ہم یہاں پہلے دَور کے اہم مستشرقین میں سے چند ایک کا ذکر کرتے ہیں:

جریری دی اور الیاک

یہ فرانسیسی راہب تھا۔ وہ فرانس سے اندلس آیا اور وہاں علوم وفنون حاصل کئے۔ اشبیلیہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم رہا اور عربی زبان وادب، ریاضی اور علم الفلک میں مہارت حاصل کی۔

یہ شخص کلیسا میں مختلف خدمات سر انجام دیتا رہا اور آخرکار ترقی کرتے کرتے پاپائے روم کے منصب پر فائز ہوا۔ یہ شخص سلفسٹر ثانی کے لقب سے مشہور ہے۔ یہ 999ء سے لیکر 1003ء تک پاپائیت کے منصب پر فائز رہا۔[2]

پطرس محترم

پطرس محترم فرانسیسی راہبوں میں سے تھا جسے اس کی وسعت علمی کی بناء پر 1123ء میں دیر کلونی کا رائیس بنایا گیا۔ دیر کلونی کی بنیاد فرانس میں 910ء میں رکھی گئی تھی اور اس سے ایک اصلاحی تحریک اٹھی جس نے یورپ بھر میں عیسائیت پر اپنے اثرات چھوڑے۔

کچھ راہب جنہوں نے سپین سے علوم حاصل کئے تھے انہوں نے بارہویں صدی عیسوی میں دیر کلونی کو عربی ثقافت کی نشرواشاعت کا مرکز بنا دیا۔ دیر کلونی کا رئیس پطرس محترم سے مزید علوم حاصل کرنے کی خاطر اندلس میں رہا۔ جب وہ اپنے دیر میں واپس آیا تو اس نے مترجمین کی ایک انجمن بنائی جس کے ارکان ایک جماعت کی شکل میں ترجمے کے کام میں مصروف ہو گئے۔

انگریز عالم" ابرٹ آف تستر" نے 1143ء میں قرآن حکیم کا لاطینی میں ترجمہ کیا۔ اس جماعت نے عربی میں کئی کتابوں کے ترجمے کئے۔ ان کے تراجم کا مجموعہ، مجموعہ کلونی کے نام سے مشہور ہوا۔ اس مجموعے میں پطرس محترم کی اپنی تصنیفات بھی شامل تھیں۔ اس نے ترجمہ قرآن پر مقدمہ بھی لکھا تھا۔ اس مجموعے کو یورپ میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔

دیر کلونی قرونِ وسطیٰ کی یورپی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس دیر نے پطرس محترم کی قیادت میں یورپ میں دینی اصلاحی تحریک کو منظم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس دیر کے کئی راہب پاپائے روم کے منصب پر فائز ہوئے۔ پطرس محترم یہ سمجھتا تھا کہ قدرت نے اسے تین محاذوں میں لڑنے کا فریضہ سونپا ہے:

1) یہودیت اور اسلام کا قلع قمع کرنا۔

---

(1):۔ تحریکِ استشراق: صفحہ:40: مطبوعہ الغنی پبلشرز کراچی، م: کمال احمد علیمی نظامی،

(2):۔ ضیاء النبی ﷺ ج،6: صفحہ:132،، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

2) ورپ میں بیداری کی لہر نے کلیسا کو جس فکری اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے، اس کا مقابلہ کرنا۔

3) ہر قسم کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے کلیسا کو تیار کرنا۔

پطرس محترم نے ایک طرف مترجمین کی جماعت منظم کی اور دوسری طرف صلیبی حملوں کی دعوت کو عام کیا۔ اس نے قرآن حکیم اور دوسری عربی کتابوں کے تراجم کا جو کام شروع کیا تھا اس کا جواز ثابت کرنے اور ان تراجم کو اپنے ابنائے ملت میں مقبول بنا نے کے لئے کہتا ہے:

"گو میری یہ کوشش بے فائدہ نظر آتی ہے کیونکہ اس قسم کے اسلحہ (یعنی تراجم وغیرہ) سے دشمن کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ میرا موقف یہ ہے کہ ایک عظیم بادشاہ اپنے ملک میں جو چیزیں جمع کرتا ہے، ان میں سے کچھ دفاع کے لئے ہوتی ہیں، کچھ زیب و زینت کے لئے اور کچھ چیزیں وہ ہوتی ہیں جو یہ دونوں مقاصد پورے کر سکتی ہیں۔ گو ضروری نہیں کہ ان میں سے ہر چیز ہر زمانے میں استعمال ہو۔ میری ان کوششوں کی مثال بھی یہی ہے۔ ان کوششوں کے ذریعے اگرچہ مسلمانوں کو دینِ عیسویں میں داخل کرنا ممکن نہیں لیکن ایک عالم کا کم از کم یہ فرض تو بنتا ہے کہ وہ اپنے ان ہم مذہب بھائیوں کی مدد کے لئے کچھ کرے جو کمزور ہیں اور انہیں تھوڑی سی کوشش سے اپنے دین سے بد ظن کیا جا سکتا ہے۔" (1)

جیرار دی کریمون

یہ اطالوی الاصل ہے، اس کا تعلق وینسی راہبوں سے تھا، یہ طلیطلی گیا، وہاں زبان و ادب میں مہارت حاصل کی، اور کندی، فارابی، اور ابن سینا کے فلسفے کو عربی سے لاطینی زبان میں منتقل کیا، اس نے رازی کی بعض کتابوں کے ترجمے بھی کئے، ارسطو کی کتاب الاحجار کو لاطینی زبان میں منتقل کیا، اقلیدس کی علم الفلک کی ایک کتاب کا ترجمہ کیا۔ جابر بن افلح کی علم النجوم پر ایک کتاب اور یحییٰ بن سرابی کی کتاب الادویہ کے تراجم کیے، کہا جاتا ہے کہ اس نے مختلف علوم کی ستر سے زیادہ کتابوں کے ترجمے کیے، جن کے اصل عربی متن نایاب ہو گئے، اور ان کے لاطینی تراجم محفوظ رہے۔ (2)

رابرٹ آف تشتر

یہ کینن کا رہنے والا تھا۔ اس نے تشتر میں علم حاصل کیا اور اسی کی نسبت سے مشہور ہوا۔ یہ وینسی راہبوں کی جماعت میں شامل ہوا۔ اندلس گیا اور وہاں علوم عربیہ میں کمال حاصل کیا۔ 1143ء میں بامیلانہ کا اسقت مقرر ہوا۔ اس نے اپنے دوست ہرمان الدلماطی سے مل کر کتب کے عربی ترجمے شروع کر دیئے۔ اس کی ملاقات پطرس محترم سے ہوئی تو اس نے اسے علمِ نجوم وغیرہ کو چھوڑ کر قرآن حکیم کا لاطینی زبان میں ترجمہ کرنے کی ترغیب دی جس پر اس نے قرآن حکیم کا لاطینی ترجمہ کیا۔ قرآن کے ترجمے کے بعد اس نے 1144ء میں خورزمی کی الجبرے کی ایک کتاب کا ترجمہ کیا جو یورپ میں الجبرے کے علم کی اشاعت کی تمہید بن گیا۔ اس نے علم الکیمیا کی ایک قدیم کتاب کا بھی لاطینی زبان میں ترجمہ کیا۔ یہ علم الکیمیا کی وہ پہلی کتاب تھی جس سے مغربی یورپ متعارف ہوا۔ رابرٹ نے خود بھی کئی

(1):۔ ضیاء النبی ﷺ ج،6: صفحہ:133:134، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

(2):۔ تحریکِ استشراق: صفحہ:41: مطبوعہ الغنی پبلشرز کراچی، م: کمال احمد علیمی نظامی،

رسائل تالیف کئے۔ اس نے 1150ء میں خوارزمی کی ایک کتاب کی تنقیح بھی کی اور اس نے مشرقی علوم و قوانین کو مغربیت کا رنگ دینے کی کوشش بھی کی۔[1]

ایڈلرڈ آف باتھ نا

اپنی ابتدائی عمر میں شام اور ہسپانیہ گیا، اور عربی علوم و آداب سیکھے، عربی علوم میں مہارت کے ناتے اس کو ہنری کا اتالیق مقرر کیا گیا، جو بعد میں ہنری دوم کے لقب سے برطانیہ کا بادشاہ بنا۔[2]

ہرمان الدلماطی المتوفیٰ1172ء

یہ رابرٹ آف تشترکا رہبانیت، تعلیم اور تراجم میں ہم سفر تھا۔ یہ کلیسا کے مختلف عہدوں پر فائز رہا اور 1143ء میں ”استدرجہ“کا اسقف مقرر ہوا۔ اس نے علم الہیئت، علم الاخلاق اور کیمیا کی کچھ کتابوں کے ترجمے کئے اور عرب علماء سے استفادہ کرکے بلاغت اور شاعری پر کچھ کتابیں تصنیف کیں۔[3]

دوسرا دور

استشراق کی تاریخ کے دوسرے دور کا تعلق اس زمانے سے ہے جب صلیبی جنگوں نے پورے مغرب میں اسلام دشمنی کو اپنے عروج پر پہنچا دیا تھا۔ اس دور کی خصوصیت یہ ہے کہ اس زمانے میں مستشرقین نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو اپنی علمی تحقیق کا نہیں بلکہ اپنی الزام تراشیوں کا ہدف بنایا اور تاریخی حقائق کی بنیاد پر نہیں بلکہ اپنے تخیل کی بلند پروازی کے ذریعے اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔

اسلام کے خلاف کاروائیوں میں ان کا بنیادی شکار حضور ﷺ کی ذات بابرکات رہی۔ اس دور میں انہوں نے فرضی تصویری کہانیوں، افسانوں، ناولوں اور ڈراموں کے ذریعے حضور ﷺ کی ذات بابرکات، آپ کی تعلیمات اور آپ کے پیروکاروں کی کردار کشی کی۔

علامہ پیر کرم شاہ الازہری صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اسلام دشمنی میں غیر علمی اور متعصّبانہ رویہ صرف اسی دور
کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مستشرقین کے اس رویے کی جھلک ہر دور کے مستشرقین کے کام میں نظر آتی ہے۔[4]

پروفیسر خلیق احمد نظامی

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

(1):۔ضیاء النبی ﷺ ج،6: صفحہ:136، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

(2):۔تحریکِ استشراق: صفحہ:41: مطبوعہ الغنی پبلشرز کراچی، م: کمال احمد علیمی نظامی،

(3):۔ضیاء النبی ﷺ ج،6: صفحہ:137، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

(4):۔ضیاء النبی ﷺ ج، ششم: صفحہ:141،140، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

”مستشرقین کی علمی سرگرمی کے دوسرے دور کی ابتدا صلیبی جنگوں سے ہوتی ہے، جہاں تک مذہب کا تعلق ہے، صلیبی جنگ کے بعد مستشرقین کے طرز فکر اور انداز تحقیق میں بنیادی تبدیلی رونما ہو گئی، اب اسلام کی تعلیمات اور پیغمبر اسلام کی حیاتِ طیبہ اور اسلامی تہذیب کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہا، جو ان کے متعصّبانہ افکار کی زد میں نہ آگیا ہو، انھوں نے اپنی ساری صلاحیتوں کا رُخ اسلام کو غیر مہذب اور وحشیانہ مذہب ثابت کرنے کی طرف موڑ دیا، کتنے ہی غلط اور بے بنیاد الزام تھے، جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جذبات برانگیختہ کرنے کے لیے اس دور میں تراشتے گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت کتب خانۂ اسکندریہ کے جلانے کا حکم اسے زمانے میں مستشرقین نے وضع کیا، اور اس کو اس طرح مشہور کیا کہ اپنے پرائے سب کو اس کی صداقت پر یقین آگیا، اسی زمانہ میں یورپ نے مسلمانوں کے خلاف جذبات برانگیختہ کرنے کے لیے ان کے متعلق گمراہ کن خیالات قومی گیتوں میں اس طرح سمو دیا کہ یہ جنگی معرکوں میں رجز کی طرح گائے جانے لگے، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب کسی شخص کو عیسائی بنایا جاتا تھا تو یہ خیالات عقائد کے طور پر اس کو سکھائے جاتے تھے، مستشرقین نے اسلام کی جو غلط تصویر اس دور میں پیش کر دی تھی، وہ مدتوں تک یورپ اور اس کے زیر اثر علاقوں میں تاریخی حقیقت کے طور پر تسلیم کی جاتی رہی۔“ (1)

تحریکِ استشراق کے پہلے دور میں جب مستشرقین اسلامی علوم کو اپنی زبانوں میں منتقل کرنے اور انہیں اپنی قوم میں پھیلانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے، اس دور میں بھی تعصب اپنے پورے جوبن پر تھا۔ یوحنا دمشقی نے بھی اسلام کو نقصان پہنچانے کی غرض ہی سے کتابیں لکھی تھیں اور قرآن حکیم کا ترجمہ پطرس محترم نے بھی اسی غرض سے کرایا تھا۔ لیکن پہلے دور اور دوسرے دور میں فرق یہ ہے کہ پہلے دور کے مستشرقین اسلام پر اعتراض کرنے کے لئے اسلام کی تاریخ اور تعلیمات میں ہی اس اعتراض کی بنیاد تلاش کرنے کی کوشش کرتے تھے، جبکہ دوسرے دور کے مستشرقین کا تکیہ صرف اپنے تخیل کی پرواز پر تھا۔ انہیں اسلام کے خلاف لکھنے کے لیے نہ صرف عربی زبان سیکھنے کی ضرورت تھی اور نہ دین اسلام کی تعلیمات کی حقیقت سے آگاہ ہونا ان کے لئے ضروری تھا۔ وہ تو اسلام کو سب سے بڑی برائی سمجھتے تھے اور پیغمبر اسلام ﷺ کو وہ ہر برائی کا منبع سمجھتے تھے، اس لئے ان کا عقیدہ تھا کہ وہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے خلاف جو چاہیں لکھیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (2)

اس دور کے مشاہیر مستشرقین میں اولین نام مسٹر جی پوسٹل کا آتا ہے یہ نارمنڈی کے ایک قصبہ باونٹوں میں 1505ء میں پیدا ہوئے اور 1581ء میں وفات پائی۔ ان کو بادشاہِ وقت نے جاگیر بھی دی تھی۔ انہوں نے تُرکی اور دیگر ممالک کے سفر کیے بہت سی قلمی کتابیں خریدیں اور عربی و عبرانی زبان دانی اور مسلمانوں کے عقائد و رسوم پر متعدد کتابیں لکھیں۔ یہ ایک مذہبی پیشوا تھے مذہبِ عیسوی میں بعض باتیں پیدا کرنے کے جرم میں حکومت فرانس نے انہیں قید کر دیا تھا۔ ان کی وفات بھی قید خانہ میں ہوئی۔ ان کے علاوہ اس دور کے مشاہیر مستشرقین میں بی ویٹیبر (1367-1213)، بی ڈی بر بلو (1695-1625)، انطون گالان (1646-1815)، پادری ریٹاورڈو (1720-1647) اور پادری بار تیلمی (1716-1795) وغیرہ نے اپنے اپنے انداز میں کتابیں لکھیں۔ یہی

(1):۔ تحریکِ استشراق: صفحہ: 45،44: مطبوعہ الغنی پبلشرز کراچی، م: کمال احمد علیمی نظامی،

(2):۔ ضیاء النبی ﷺ ج، 6: صفحہ: 141، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

وہ زمانہ ہے جبکہ کلیسا کا طلسم ٹوٹا اور اس دور کے آخر میں کچھ ایسے مستشرقین بھی پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے پیشرو مستشرقین کی تردید کی۔ ساتھ ہی کچھ نہ کچھ نئے شبہات بھی پیدا کر دیئے۔[1]

تیسرا دور

تحریک استشراق کی تاریخ کے تیسرے دور کا تعلق اس زمانے سے ہے جب دنیا میں طاقت کا توازن اہل مغرب کے حق میں بدل گیا تھا اور وہ مسلمانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر عالم اسلام کو اپنے استعماری شکنجے میں کسنے کے خواب دیکھنے لگے تھے۔[2]

تیسرا دور انیسویں صدی کی ابتداء سے 1925ء تک ہے اس دور میں عربی کتابوں کی تصحیح اور اشاعت کا کام زیادہ وسعت کے ساتھ ہوا۔ یورپ کی تقریباً ہر بڑی یونیورسٹی میں عربی اور اسلام کے مطالعہ کے لیے خاص شعبے قائم ہوئے، عربوں اور ترکوں کے مابین منافرت پیدا کرنے کی مہم بہت تیز کر دی گئی۔ اسلامی کتابوں کے ترجمے بکثرت شائع ہوئے۔ اس زمانہ میں اسلامی تحقیقات کے نام سے مسلمانوں کے اندرونی اختلافات اور جدید فرق اسلامیہ پر بہت سی کتابیں تصنیف کی گئیں۔ عربی قلمی کتابوں کی تشریحی فہرستیں شائع ہوئیں۔ تقریباً ہر ملک میں ایشیائی سوسائٹیاں وجود میں آئیں۔[3]

اس دور کے مستشرقین عربی متون کی تصحیح اور علوم ریاضیہ و تجربیہ کے تراجم کی اشاعت کے ساتھ ساتھ دو مقاصد کے لیے کام کرتے نظر آتے ہیں۔ (اول) عربوں اور غیر عربوں میں تفریق کے لیے عربوں کی تعریف و توصیف اور عرب مسلمانوں پر الزامات کا التزام اور (دوم) مسلمانوں کی روایات اور ان کی تاریخ کی ناقابل اعتبار قرار دینے کی مساعی۔ اس دور میں قرآن مجید کے متعدد تراجم ہوئے قرآن مجید کے الفاظ کی فہرستیں اور لغات القرآن بکثرت تیار کیے گئے۔ مسٹر جی فلوگل (1870-1802) اور مسٹر ہملٹن المتوفیٰ 1824ء مترجم ہدایہ اسی دور کے علماء ہیں۔[4]

دنیائے اسلام پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے انہوں نے بڑی محنت سے منصوبہ بندی کی۔ انہوں نے بر وقت اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا کہ مسلمانوں کے علاقوں پر تسلط قائم کرنے اور اس تسلط کو دوام بخشنے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کے سیاسی، سماجی دینی، اخلاقی اور معاشی حالات کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے، ان کی خوبیوں اور خامیوں سے مکمل آگاہی حاصل کی جائے تاکہ ان کی خامیوں سے فائدہ اٹھا کر اور ان کی خوبیوں کو خامیوں سے بدل کر انہیں کمزور کیا جاسکے۔ انہوں نے مسلمانوں کی تاریخ اور ان کے ممالک کے جغرافیائی حالات کے مطالعہ کو بھی ضروری سمجھا۔ انہیں اس بات کا بھی احساس ہو چکا تھا کہ عالمِ اسلام کے کونے کونے میں علم و معرفت کے موتی بکھرے پڑے ہیں جن میں قوموں کی قسمت بدلنے کی صلاحیت موجود ہے۔ انہوں نے ان علمی خزائن کو تلاش کرنے، انہیں یورپ منتقل کرنے اور ان سے استفادہ کرنے کو بھی ضروری سمجھا۔[5]

---

(1):۔ مستشرقین اور تحقیقات اسلامی، مولانا عبدالقدوس ہاشمی، مجلہ الواقعہ کراچی: جنوری، فروری 2013ء، شمارہ 10 / 11: صفحہ 6،7

(2):۔ ضیاء النبی ﷺ ج،6: صفحہ 153، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

(3):۔ مستشرقین اور تحقیقات اسلامی، مولانا عبدالقدوس ہاشمی، مجلہ الواقعہ کراچی: جنوری، فروری 2013ء، شمارہ 10 / 11: صفحہ 7،

(4):۔ مستشرقین اور تحقیقات اسلامی، مولانا عبدالقدوس ہاشمی، مجلہ الواقعہ کراچی: جنوری، فروری 2013ء، شمارہ 10 / 11: صفحہ 7،

(5):۔ ضیاء النبی ﷺ ج،6: صفحہ 153، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

اسی دور میں فرانس، ہالینڈ، جرمن، انگلینڈ، اور دوسرے یورپی ممالک میں بڑے مشہور مستشرق ظاہر ہوئے، جنھوں نے عالم اسلام پر اہل مغرب کے استعمار تسلط کا راستہ ہموار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ [1]

تیسرے دور میں مستشرقین اہم کے کارنامے

اس دور میں مستشرقین نے جو عظیم کارنامے سرانجام دیے، ان میں سے سب سے بڑا کارنامہ، نایاب کتابوں اور مخطوطوں کا جمع کرنا ہے، چناچہ ڈاکٹر منجن نے 1924ء سے 1929ء تک مشرق قریب سے بے شمار مخطوطات جمع کیے، اور پھر دوسرے لوگوں کے جمع کردہ مخطوطات کے ساتھ ملا کر ان کی ایک فہرست تیار کی، اسی طرح مار گولیتھ نے بھی مخطوطات کی ایک فہرست تیار کی، برلن، پیرس، سیلانو، روم، لندن، لیزج، کیڈن، آکسفوڈ، کیمبرج، میونخ، ڈبلن، ایڈنبرا، کینن گراڈ، برٹش، ایشیاٹک سوسائٹی اور اسکوریال کی لائبریریاں مخطوطات کی شکل میں مسلمانوں کے علمی ورثے سے بھری پڑی ہیں۔ [2]

اس دور کے مشہور مستشرقین میں سے ایڈوردر یہباسٹک (1891-1819)، مسٹر ہوز مصنف "ڈکشنری آف اسلا"، تھامس کالائل، ولیم ہوک مارلے، ایڈورڈ مہلر، ایل اسمنٹ، پادری ڈروم، سی ای ولسن، گولڈ زیہر، پادری کموشکو، جان جاک سدیو، لیونے کا یتانی، پادری فاکاری لازنون، بلاشیر اور نالینو وغیرہ اہم ہیں۔ مشہور پروفیسر پامر اور ان کے نامی گرامی شاگرد کرنل لارنس آف عربیا اسی دور کے بزرگ ہیں۔ [3]

چوتھا دور

اس دور کا تعلق اس زمانے کے ساتھ ہے، جب نو آبادیات کے باشندے غیر ملکی تسلط کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور انھوں نے استعماری طاقتوں کو اپنے ممالک سے نکالنے کی جدوجہد شروع کر دی تھی۔ اس دور کے مستشرقین کے انداز بحث و تحقیق میں ایک عجیب تبدیلی رونما ہوئی چنانچہ پروفیسر خلیل احمد نظامی لکھتے ہیں:

"جب نو آبادیاتی نظام کا دم واپسی شروع ہوا، اور اسلامی ممالک میں آزادی کی تحریکیں نمودار ہونے لگیں تو مستشرقین کے اندازِ تحقیق اور طریقۂ کار میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہو گئی، نو آبادیوں کی آزادی کو ٹالنا اب ممکن نہ رہا تھا، لیکن ان سے بے تعلق ہو جانا ملک کے سیاسی اقتدار ضربِ کاری کے مترادف تھا، چنانچہ اب تمدنی رشتوں کی نئی زنجیریں وضع کرنے کے لیے اسلامی علوم کا نئے انداز سے مطالعہ ضروری ہو گیا۔" [4]

اب مستشرقین نے اپنے مقاصد کی حصولیابی کے لیے طریقۂ کار یہ اختیار کیا کہ انھوں نے اپنے پیش رووں کی اسلام مخالف تحریروں پر جرح اور تنقید شروع کر دی اور اسلام کے بارے میں ایسی کتابیں لکھنی شروع کر دیں، جن میں اسلام کے کچھ شعبوں کی

(1):۔ تحریکِ استشراق: صفحہ:46/ مطبوعہ الغنی پبلشرز کراچی، م: کمال احمد علیمی نظامی،

(2):۔ تحریکِ استشراق: صفحہ:46/ مطبوعہ الغنی پبلشرز کراچی، م: کمال احمد علیمی نظامی،

(3):۔ مستشرقین اور تحقیقات اسلامی، مولانا عبدالقدوس ہاشمی، مجلہ الواقعہ کراچی: جنوری، فروری 2013ء، شمارہ 10/11: صفحہ 7،

(4):۔ تحریکِ استشراق: صفحہ:49/ مطبوعہ الغنی پبلشرز کراچی، م: کمال احمد علیمی نظامی،

تعریف بھی کی گئی ہوتی، اس طرح وہ ایک طرف مسلمانوں کی حمایت تو حاصل کر ہی رہے تھے، دوسری طرف تعریف کی آڑ میں کچھ ایسی باتیں بھی کہہ دیا کرتے تھے، جو اسلام کے خلاف ہوتی تھیں، پھر بھی سادہ لوح مسلمان اسے بسر و چشم قبول کر لیتے تھے۔[1]

اس تبدیلی کے اسباب و عوامل کی تفصیل علامہ پیر کرم شاہ الازہری کی زبان قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

"اب جب طویل غلامی کے بعد مسلمانوں کے آزاد ضمیر نے انگڑائی لینا شروع کی، انہوں نے غلامی پر موت کو ترجیح دینے کے بارے میں سوچنا شروع کیا اور ان میں ایسے مردانِ حق پیدا ہوئے جنہوں نے سلطان ٹیپو شہید کی روح کو سلام کرتے ہوئے یہ نعرہ لگایا کہ "شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی ہزار سالہ زندگی سے بہتر ہوتی ہے" تو استعماری طاقتیں ایک نئی صورت حال سے دوچار ہو گئیں۔ اب ان کے لئے صرف دو راستے رہ گئے تھے۔ ایک راستہ تو یہ تھا کہ آزادی کی اٹھتی ہوئی تحریکوں کو بزور شمشیر کچل دیں اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے علاقوں کو خالی کر کے اپنے ممالک میں واپس چلی جائیں۔

پہلے راستے کو اختیار کرنے کی ان میں جرات نہ تھی۔ وہ مسلمانوں کو میدان جنگ میں آزما چکے تھے اور انہیں یقین تھا کہ یہ قوم موت کو خاطر میں نہیں لاتی۔ صلیبی جنگوں کی طویل تاریخ کے ہولناک مناظر انہیں اس راستے کو اختیار کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے، اس لئے انہوں نے نو آبادیات کو آزادی دینے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن جن علاقوں پر انہوں نے اتنا عرصہ حکومت کی تھی انہیں یوں ہی چھوڑ کر چلے جانا آسان نہ تھا۔ وہ اب تک مسلمانوں کے حکمران تھے اور مسلمانوں کو دوسرے درجے کی مخلوق سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ برتاؤ کرتے تھے۔ لیکن اب انہوں نے مسلمانوں کی دوستی اور خیر خواہی کا لبادہ اوڑھ لیا۔ انہوں نے پوری کوشش کی کہ مسلمان جسمانی طور پر ان کے غلبے سے آزاد ہو کر بھی ان کی ذہنی غلامی سے آزاد نہ ہونے پائیں۔

اس مقصد کے لئے ضروری تھا کہ ایسی تمام چیزیں جو مسلمانوں کے دلوں میں اہل مغرب کے خلاف نفرت پیدا کرتی تھیں، ان کے اثرات کو کم کرنے کی کوشش کی جائے۔ ان کے پیشروؤں نے کئی سو سال تک اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے خلاف زہر اگلا تھا۔ عیسائیوں سے مسلمانوں کو متنفر کرنے کیلئے مستشرقین کی یہ کتابیں بہت خطرناک ثابت ہو سکتی تھیں اس لئے تحریکِ استشراق کے گرگٹوں نے ایک رنگ اور بدلا۔ اب ایسے مصنفین منظر عام پر آنے لگے جنہوں نے اپنے پیشروؤں کی تحریروں پر شدید تنقید کی۔ انہوں نے اسلام کے بارے میں ایسی کتابیں لکھنا شروع کیں جن میں اسلام کے کچھ شعبوں کی تعریف کی گئی تھی۔[2]

چاتھا دور جو 1926ء میں امیر کاتیانی کی وفات سے اب تک ہے۔ اس دور میں تحقیقاتِ اسلامی کا کام جن مستشرقین نے کیا ان میں نولدیکے اور ان کے شاگرد علامہ بروکلمان اور پروفیسر سخائو کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اسی طرح تھامس آرنلڈ، مسٹر جیکس، مونٹ منٹگری واٹ، پروفیسر گویام، لی اسٹونج، مسٹر لیمب، مسٹر انڈوسن، پروفیسر مارگولیتھ، ڈینی راس، مسٹر لوکارٹ، مسٹر براؤن، مسٹر ہملٹن گب، مسٹر منڈائو اور مسٹر لولیس وغیر ہم نے تحقیقات اسلامی کا کام کیا اور کر رہے ہیں پادری زویمر المتوفیٰ 1952ء بانی رسالہ مسلم ورلڈ بھی اس دور کے ہیں، جن کے متعلق خود مستشرقین کی یہ رائے ہے کہ ان کے تعصب نے ان کی تصنیفات کا علمی مرتبہ ہی ختم کر دیا اس دور میں تحقیقات اسلامی کا دائرہ فقہ، اصول فقہ تک وسیع ہو گیا۔ اسلامی فرقوں کے حالات اور ان کے افکار کی طرف توجہ بڑھادی

(1):۔ تحریکِ استشراق: صفحہ:50 / مطبوعہ الغنی پبلشرز کراچی، م: کمال احمد علیمی نظامی،

(2):۔ ضیاء النبی ﷺ ج،6: صفحہ:165 /166، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

گئی ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی موضوعات پر کچھ نہ کچھ کام مستشرقین نے کیا ہے۔ مگر اس عہد میں توجہ ان موضوعات اور تصوفِ اسلامی کی طرف زیادہ بڑھادی گئی ہے۔[1]

پانچواں دور

تحریکِ استشراق کی تاریخ میں ایک اور اہم موڑ اس وقت آیا جب اسلامی ممالک کو قدرت نے زریال کی دولت سے مالا مال کیا۔ قدرت نے ملت اسلامیہ کو یہ نعمت اس دور میں عطا کی تھی جب اقتصادی تقاضوں نے انسانی زندگی کے دیگر تمام تقاضوں کی اہمیت کو کم کر دیا تھا۔ اقتصادی خوش حالی ہی عزت، شہرت اور تہذیب کا معیار بن چکی تھی۔ استعماری طاقتوں نے نو آبادیاتی نظام کے خاتمے کے بعد مسلمانوں پر اپنے اثر و نفوذ کو قائم رکھنے کے لئے اقتصادیات ہی کا سہارا لیا تھا۔ مسلم ممالک نے گو آزادی حاصل کرلی تھی لیکن وہ اقتصادی شعبے میں مغرب کی طرف دیکھنے پر مجبور تھے۔ مستشرقین نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کی جو طویل المیاد منصوبہ بندی کی تھی اس کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں اس بات پر مجبور تھے کہ وہ اپنا خام مال کوڑیوں کے بھاؤ اہلِ مغرب کے ہاتھوں فروخت کریں اور پھر اس خام مال سے تیار شدہ اشیاء مہنگے داموں خرید کر اپنی نالائقی کا ماتم کریں۔

ناقص نظام تعلیم کی وجہ سے مسلمانوں کی یونیورسٹیوں سے انجنیئر، سائنسدان، ٹیکنالوجی کے ماہرین اور ایسے لوگ فارغ نہیں ہورہے تھے جو اپنے ممالک کے بے پناہ قدرتی وسائل کو کام میں لاکر اقوام عالم کو اپنا دستِ نگر بنا سکتے بلکہ ان کے مدارس اور یونیورسٹیوں سے وہی لوگ فارغ ہورہے تھے جو کلرکی کریں یا سیاست اور تعلیم کے میدانوں میں آکر مسلمانوں کو تہذیب مغرب کا دلدادہ بنانے کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں وقف کریں۔

مسلمان اپنے وسائل کو خود اپنے خلاف اور اہل مغرب کے حق میں استعمال کر رہے تھے۔ اگر مسلمان اس قابل ہوتے کہ وہ اپنے خام مال کو خود مصنوعات کی شکل میں تبدیل کرسکتے تو یورپ کی فیکٹریاں بند ہوجاتیں۔ یورپ اقتصادی طور پر کمزور ہوتا تو اس کی سیاسی چودھراہٹ بھی اپنی موت آپ مرجاتی لیکن افسوس کہ مسلمان ایسا نہ کرسکے۔[2]

مستشرقین کے حاشیہ خیال میں بھی ایسی صورت حال نہیں تھی، اسلامی ممالک کی اقتصادی آزادی کے خیال نے ان کی استعمارانہ فکر کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیے، نئی صورت حال کے امکانات ان کے لیے تشویش بلکہ توحش کا باعث بن گئے، اب مستشرقین کی دلچسپی جدید مذہبی تحریکات، سماجی رجحانات اور اقتصادی امکانات کے مطالعہ کی طرف منتقل ہوچکی ہے، اور فکرِ اسلامی کی توجیہ اور تعلیل سے زیادہ مسلمانوں کے اندرونی اور بیرونی حالات کے تجزیے کی طرف توجہ ہے، اقتصادیات، سیاست ارضی Geopolitic اور عمرانیات سے قریب لاکر دینی عناصر کے مطالعہ سے گریز کیا جانے لگا، چنانچہ اسی دور میں 1966ء میں امریکہ میں The Middle East studies Association of North America اور 1976ء میں British Society Mid-

(1):۔ مستشرقین اور تحقیقات اسلامی، مولانا عبدلقدوس ہاشمی، مجلہ الواقعہ کراچی: جنوری، فروری 2013ء، شمارہ 10/11: صفحہ 7،

(2):۔ ضیاء النبیﷺ ج،6: صفحہ: 167/168، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

eastern Studies کا قیام عمل میں آیا، یہ انجمنیں بدلتے ہوئے حالات اور رجحانات کی آئینہ دار ہیں، ان مطبوعات اور وسائل سے ان کی ذہنی خلشوں کا اندازہ ہوتا ہے جن سے مستشرقین اس وقت دوچار ہیں۔ (1)

اس دور میں مستشرقین کے مطالعے کا انداز بدل گیا، چنانچہ اب مستشرقین نے اسلام کے روایتی مطالعہ پر توجہ کم کر دی، اور دور حاضر کے مسلمان معاشرے پائے جانے والے رجحانات کا تفصیلی مطالعہ شروع کر دیا، اب ان کے مطالعہ کا مرکز توجہ پورا مشرق نہ تھا، بلکہ صرف وہ ممالک تھے، جہاں قدرت نے تیل کے وافر ذخائر پیدا فرما دیے تھے، اب مستشرقین نے ایشیائی سوسائیٹوں کے بجائے مشرق وسطیٰ کے نام سے سوسائٹیاں قائم کرنا شروع کر دیں۔ (2)

چھٹا دور

اس دور کا تعلق عہد حاضر سے ہے، اس دور میں مستشرقین ایک عجیب کشمکش سے دوچار ہیں، وہ ساری کوششیں جو انھوں نے مسلمانوں کو تباہی کے گڑھے میں پھینکنے کے لیے کی تھیں، وہ سب بے کار ثابت ہو رہی ہیں، اس دور میں اسلامی تحریکیں زور پکڑنے لگیں، جو ممالک اسلامیہ استعماری تسلط سے آزاد ہوئے، ان ممالک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے مطالبے شروع ہو گئے، بر صغیر، مصر اور افریقہ کے مسلم ممالک میں ایسی تحریکوں نے زور پکڑا، افغانستان اور ایران کے مسلمان اپنے دوسرے ملی بھائیوں سے بھی چند قدم آگے تھے۔ (3)

مستشرقین ایک مرتبہ پھر استشراقی، صہیونی، تبشیری اور استعماری آرزوؤں کے محل کی حفاظت کے لئے میدان میں آ گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کے لئے دہشت گرد اور بنیاد پرست کی اصطلاحیں ایجاد کیں۔ الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے ان اصطلاحوں کی اتنی تشہیر کی کہ مسلمان زعماء کی زبانوں سے بھی بنیاد پرستی کی مذمت ہونے لگی۔ مسلمانوں کا نستعلیق طبقہ دہشت گردی کے الزام سے بچنے کیلئے اپنے مسلمان ہونے پر شرمندگی محسوس کرنے لگا۔ الجزائر میں انتخابات میں فتح حاصل کر لینے کے باوجود اسلام پسند عناصر کو اقتدار سے محروم رکھنے کی سازش کی گئی۔ مختلف اسلامی ممالک میں اسلام کے حق میں اٹھنے والی آوازوں کو کچلا گیا۔ اسلام کا نام لینے کے جرم میں ایران کو سارے مغرب کا سب سے بڑا دشمن سمجھا گیا۔ مسلمانوں کی طرف سے ایٹم بم بنانے کی کوششوں کو اسلامی بم کا نام دیا گیا اور عراق کے ایٹمی پلانٹ پر حملہ کیا گیا۔ (4)

اسی دور میں امریکی داداگیری کا آغاز ہوا، فرعونِ وقت، بش، اور اس کے اتحادیوں نے افغانستان اور پھر عراق پر دہشت گردی کے نام پر فوجی حملے کئے، جس کے نتیجے میں ان دونوں ممالک کی اقتصادی حالت بد سے بدتر ہو گئی، علاوہ ازیں اسرائیلی دہشت گردی کی ابتدا بھی اسی عہد میں ہوئی، جس کے نتیجے میں فلسطینی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا، اس طرح سے یہ دور سابقہ تمام ادوار سے خطر

(1):۔ تحریکِ استشراق: صفحہ: 52/53 مطبوعہ الغنی پبلشرز کراچی، م: کمال احمد علیمی نظامی،

(2):۔ تحریکِ استشراق: صفحہ: 53 مطبوعہ الغنی پبلشرز کراچی، م: کمال احمد علیمی نظامی،

(3):۔ تحریکِ استشراق: صفحہ: 53 مطبوعہ الغنی پبلشرز کراچی، م: کمال احمد علیمی نظامی،

(4):۔ ضیاء النبی ﷺ ج، 6: صفحہ: 171/172، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

ناک دور ہے، اس دور میں بھی مستشرقین امریکہ اور اسرائیل کے دست راست بنے ہوئے ہیں، ان کے لیے اسلامی ممالک میں جاجا کر جاسوسی کر رہے ہیں، اور میڈیا کے ذریعہ مسلمانوں کی شبیہ کو داغ دار کرنے میں شب و روز ایک کیے ہوئے ہیں۔[1]

استشراق کے ادوار کا جائزہ

تحریکِ استشراق کے ادوار کا جائزہ لیتے ہوئے علامہ پیر کرم شاہ الازہری اس طرح لکھتے ہیں کہ: تحریکِ استشراق کی تاریخ کے ان چھ ادوار کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مستشرقین نے اپنے کام کا آغاز دو جہتوں میں کیا تھا۔ انہوں نے ایک طرف تو مسلمانوں کے علمی ذخائر کو اپنے ممالک میں منتقل کرنے اور انہیں استعمال میں لا کر مادی اور تہذیبی میدانوں میں ترقی کرنے کی کوشش شروع کی، اور دوسری طرف مسلمانوں کے دین، ان کی تاریخ اور ان کی تہذیب کو مسخ کرنے، مسلمانوں کو اپنے دین سے بیگانہ کرنے اور غیر مسلم لوگوں کو اس دین سے متنفر کرنے کی بھرپور مہم چلائی۔

زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ان کے طریقہ ہائے واردات میں تو تبدیلیاں آتی رہیں لیکن جس مقصد کے تحت اس تحریک کا آغاز ہوا تھا وہ مقصد مستشرقین کی آنکھوں سے کبھی اوجھل نہیں ہوا۔ مستشرقین نے کبھی طالب علموں کا روپ اختیار کیا۔ کبھی جسموں پر صلیبیں سجائیں۔ کبھی تحقیق اور جستجو کے نام پر ممالک اسلامیہ کے کونے کونے تک پہنچے۔ کبھی مسلمانوں کے ہمدرد اور خیر خواہ بن کر منظر عام پر آئے اور کبھی پسماندہ اقوام کے لئے مشفق و مربی کا روپ دھارا۔ لیکن اتنے روپ بدلنے کے باوجود ان کا مقصد ہمیشہ ایک ہی رہا اور وہ مقصد اسلام کی بیخ کنی کے سوا کچھ نہ تھا۔[2]

(1):۔ تحریکِ استشراق: صفحہ:54 مطبوعہ الغنی پبلشرز کراچی، م: کمال احمد علیمی نظامی،

(2):۔ ضیاء النبی ﷺ ج،6: صفحہ:173/172، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

بابِ دوم: قرآن وحدیث پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ

فصلِ اوّل: قرآن پر مستشرقین کا اعتراضات کا جائزہ

فصلِ دوم: حدیث پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ

فصلِ اول: قرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ

قرآن حکیم اور مستشرقین

مستشرقین کی تحریک کا مقصد اسلام کی مخالفت کرنا اور دنیا میں اس دینِ متین کی اشاعت کو روکنا ہے۔ مستشرقین کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ اسلام کے شجرہ طیبہ کی بیخ کنی کے لئے ضروری ہے کہ اسلام کی اصلِ اوّل قرآنِ حکیم موجود رہے گا اور مسلمانوں کو یہ یقین رہے گا کہ اسی کتاب کی پیروی میں ان کی دنیا و آخرت کی کامیابی کی ضمانت موجود ہے، اس وقت تک نہ اسلام کو نقصان پہنچایا جاسکتا ہے اور نہ ہی ملتِ اسلامیہ کو قوت و شوکت سے محروم کیا جاسکتا ہے۔ اصل میں مستشرقین کو سب سے بڑا خطرہ قرآن حکیم سے ہی تھا۔ مستشرقین نے قرآن پاک کو اپنے وجود اور اپنے مفادات کے لئے خطرہ سمجھتے ہوئے اس کا مقابلہ کرنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ قرآن حکیم کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے انہوں نے مختلف طریقوں سے قرآن عظیم پر وار کرنے شروع کئے۔ انہوں نے بیک زبان ہو کر اس بات کا اعلان کیا کہ قرآن حکیم یہ خدا تعالیٰ کا کلام نہیں، بلکہ حضرت محمد ﷺ کی تصنیف ہے۔ انہوں نے قرآن پاک کی جمع و تدوین پر بھی اعتراضات کئے اور اس کے ایک مستند دستاویز ہونے کا بھی انکار کیا۔ اور تو اور انہوں نے قرآن پاک کا فصیح و بلیغ ہونا اور اس کی شانِ اعجاز پر بھی طبع آزمائی کی۔ اور انہوں نے اس کے مضامین، اس کی ترتیب اور اس کے اُسلوب کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ اور قرآن حکیم کی تعلیمات بھی مستشرقین کے طعن و تشنیع کے تیروں سے محفوظ نہ رہ سکیں۔

اب مستشرقین کے ان اعتراضات کو ذکر کیا جاتا ہے، جو انہوں نے قرآنِ حکیم پر کیے ان میں سے چند مذکور ہیں:

قرآن کریم پر مستشرقین کے اعتراضات

قرآنی آیات کے ناسخ و منسوخ ہونے پر مستشرقین کا اعتراض

مستشرقین کا قرآنِ حکیم پر ایک بہت بڑا اور مشہور اعتراض یہ ہے کہ قرآن حکیم میں کئی آیات ایسی ہیں جو باہم متضاد ہیں، لیکن مسلمان یہ کہہ کر اس اعتراض سے جان چھڑا لیتے ہیں کہ قرآن حکیم میں تضاد نام کی کسی شے کا وجود نہیں۔ بظاہر جن آیات میں تضاد نظر آتا ہے وہ باہم متضاد نہیں بلکہ ان کا آپس میں تعلق ناسخ اور منسوخ کا ہے۔

مستشرقین کہتے ہیں کہ مسلمان اس بہانے سے قرآن حکیم پر وارد ہونے والے ایک بہت بڑے اعتراض سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ یہاں تک بھی اپنے اس مفروضے کو طول دینے سے باز نہیں آتے کہ قرآن حکیم کے تضادات کو رفع کرنے کا یہ طریقہ کار خود حضور ﷺ نے وضع کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں آیات کو منسوخ کرنے یا ایک آیت کو دوسری آیت سے بدلنے کا ذکر ہے۔

اپنے اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے وہ قرآن حکیم کی یہ آیتِ کریمہ پیش کرتے ہیں:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ (۱۰۶)(1)

ترجمہ: (جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے)

(1):۔(البقرہ2، 106)

جارج سیل اپنے ترجمہ قرآن کے مقدمے میں لکھتا ہے:

" قرآن میں کچھ آیات ایسی ہیں جو باہم متضاد ہیں۔ مسلمان علماء نسخ کے اصول کے ذریعے ان پر وارد ہونے والے اعتراضات کا تدارک کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کچھ احکام صادر کئے، جن کو بعد میں معقول وجوہات کی بنا پر منسوخ کر دیا گیا۔"

مستشرقین یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ نسخ کا لفظ نظر ثانی کے مترادف ہے۔ اور حضرت محمد (ﷺ) قرآن حکیم میں ترمیم و اضافہ کرتے تھے، اور قرآن کی ترتیب کی نئی شکل دیتے تھے۔ منٹگری واٹ کا اس سلسلے میں ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

"Muhammad's belief that the revelation came to him from God would not prevent him rearranging the material and otherwise emending it by omission or addition. There are references in the Quran to God making him forget some passages, and a close study of the text makes it almost certain that words and phrases were added. Such addition, of course, would not be of Muhammad's composition. Presumably he had some way of listening. For revelations where he thought they were needed, and would only emend the text if he received an emending revelation. Islamic orthodoxy has always recognized that some passages of the Muslims were abrogated by later passages, so that the original rules ceased to be binding. The story of the "Satanic verses"........is an instance of the emendation of what had been publicly proclaimed as a revelation."

ترجمہ: "محمد (ﷺ) کا یہ عقیدہ ہے کہ: ان کے پاس وحی خدا کی طرف سے آتی ہے، ان کے مواد کو ترتیبِ نو دینے اور الفاظ دیگر کو حذف و اضافے کے ذریعے اس میں ترمیم کرنے سے باز نہیں رکھتا تھا۔ قرآن میں کچھ حوالے ایسے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ خدا محمد (ﷺ) کو کچھ آیات بھلوا دیتا تھا۔ متن کے بغور مطالعہ سے یہ بات تقریباً یقینی ہو جاتی ہے کہ قرآن کے کچھ الفاظ اور آیات کا بعد میں اضافہ کیا گیا، البتہ اس قسم کے اِضافوں کو محمد (ﷺ) کی تالیف نہیں کہا جائے گا۔ یہ بات فرض کی جاسکتی ہے کہ محمد (ﷺ) کے پاس کوئی ایسا ذریعہ موجود تھا کہ جب ان کو قرآن کے کسی حصے میں ترمیم کی ضرورت محسوس ہوتی تھی تو وہ وحی کے الفاظ سن لیتے تھے۔ لیکن وہ وحی کے بغیر ترمیم نہیں کرتے تھے۔ روایت پسند مسلمانوں نے اس بات کو ہمیشہ تسلیم کیا ہے کہ قرآن کی کچھ آیات جن میں مسلمانوں کے لئے کچھ قوانین بیان ہوئے تھے، وہ بعد کی آیات کے ذریعے منسوخ ہو گئیں۔ شیطانی آیات کی کہانی اس سلسلے میں ترمیم کی ایک مثال ہے جس کے علانیہ وحی ہونے کا دعویٰ کیا گیا تھا۔" (1)

(1):۔ ضیاء النبی ﷺ ج،6: صفحہ:417/418، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

علامہ پیر کرم شاہ الازہری صاحب کا قرآنی آیات کے ناسخ و منسوخ ہونے کے اعتراض پر جائزہ

منٹگمری واٹ کے اس اقتباس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے حضور ﷺ قرآنِ حکیم کے الفاظ اور آیات کو اپنی مرضی سے مرتب کرتے تھے، قرآن میں ترمیم و اضافہ کرتے تھے بالفاظ دیگر آپ (ﷺ) قرآن پر نظر ثانی کرتے تھے۔ لیکن آپ لوگوں کو یہ تاثیر دینے کی کوشش کرتے تھے کہ آپ یہ ترمیمات اپنی طرف سے نہیں کرتے تھے بلکہ جب آپ کسی مقام پر ترمیم کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو کسی نہ کسی ذریعہ سے آپ منبع وحی سے رابطہ قائم کر لیتے ہیں اور پھر وحی کے ذریعے قرآن میں ترمیم کر دیتے ہیں، منٹگری واٹ کے نزدیک ان تمام دعووں کی دلیل یہ ہے کہ قرآن اس بات کو بیان کرتا ہے کہ اس کی کچھ آیات دوسری آیات کے ذریعے منسوخ ہو گئی ہیں۔ ساتھ ہی اپنے دعوے کی دلیل یہ دیتا ہے کہ روایت پسند مسلمان ہمیشہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے آئے ہیں کہ قرآنِ حکیم کی بعض آیات دوسری آیات کے ذریعے منسوخ ہوئی ہیں۔ ناسخ و منسوخ کے مسئلے کو سمجھانے کے لئے وہ مثال یہ پیش کرتا ہے کہ "شیطانی آیات" پہلے بطورِ وحی نازل ہوئیں اور پھر منسوخ ہو گئیں۔ منٹگمری واٹ جو کچھ کہہ رہے ہیں اگر حقیت یہی ہو تو پھر قرآن کو کلام خداوندی کو ماننے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ اگر اس نظریے کو تسلیم کر لیا جائے کہ حضور ﷺ قرآنِ حکیم میں از خود ترمیم کرتے تھے تو پھر قرآن کے منزل من اللہ ہونے کے عقیدے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جو قرآن میں ترمیم کر سکتا ہے وہ قرآن کو تصنیف بھی کر سکتا ہے۔ مستشرقین الفاظ کے ہیر پھیر کے ذریعے اسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔[1]

مریم علیہا السلام کے نام میں قرآنی غلطی

رچرڈ بل کا یہ کہنا ہے کہ واقعے میں ناموں کو گڈ مڈ کر دیا ہے:

Mary (Arabic, Maryam), the mother of Jesus with Maryam the sister of Moses, so that 'Imran" would be the father of Moses and the grandfather of Jesus.

ترجمہ: "ام یسوع مسیح مریم کا خلط جناب موسیٰ کی بہن مریم کے ساتھ۔ اس طرح عمران جناب موسیٰ علیہ السلام کے والد بَن گئے اور کتاب یسوع کے نانا۔"[2]

اس استشراقی نقطۂ نظر سے قرآن نے مریم علیہ السلام کے نام پر ذکر تو اس خاتون کا کیا جو نئے عہد نامے میں یسوع مسیح کی والدہ ہیں لیکن وہ جناب عمران کی بیٹی نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن مریم ہیں اور ان ہی کے والد کا نام عمران ہے۔ اس کی دلیل مستشرقین کے ہاں یہ ہے کہ قرآن نے اسی مریم کو "یا اخت ہارون" کے لقب سے بلایا گیا ہے۔

گیبرئیل رینلڈر قمطراز ہے:

(1):۔ ضیاء النبی ﷺ ج،6: صفحہ: 419، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

(2):۔ مجلہ: برائے ادیان وافکار، عنوان: قرآنی قصص مریم علیہ السلام کا ماخذ: استشراقی رجحانات کا تنقیدی جائزہ، مصنف: محمد طیب عثمانی، جلد1، شمارہ1، سال: 2019

The Biblical report that Mary the daughter of ʻImran (Heb.'Amran)was the sister of Moses and Aaron. The fact that the Qur'an elsewhere (Q19.28) refers to mother of Jesus as "sister of Aaron"made the problem mpre pressing.

"بائبلی بیان کے مطابق مریم بنتِ عمران "عبرانی: عمرام" جنابِ موسیٰ وہارون علیہ السلام کی بہن تھیں۔ یہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم نے جناب یسوع کی والدہ مریم کو جناب ہارون علیہ السلام کی بہن ذکر کرکے غلطی کی ہے۔" (1)

اسم مریم علیھا السلام کے بارے میں استشراقی نظریے کا جائزہ

مستشرقین کا شبہ

در حقیقت مستشرقین کا یہ شبہ قرآن کی دو اہم آیات کی بنیاد پر ہے:

پہلی آیت: قَالَ اللہ تعالیٰ:

وَ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ۠ (۱۲) (2)

ترجمہ: (اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی طرف کی روح پھونکی اور اس نے اپنے رب کی باتوں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور فرمان برداروں میں ہوئی۔)

دوسری آیت: قَالَ اللہ تعالیٰ:

قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا (۲۷) يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا (۲۸) (3)

ترجمہ: (تو اسے گود میں لیے اپنی قوم کے پاس آئی بولے اے مریم بے شک تو نے بہت بڑی بات کی۔ اے ہارون کی بہن تیرا باپ برا آدمی نہ تھا اور نہ تیری ماں بدکار)

ان آیت کی وجہ سے مستشرقین کا رجحان یہ ہے کہ قرآنِ کریم مبنی علی الخطاء ہے۔ اس شبہے کا تجزیاتی مطالعہ دو اہم پہلوؤں سے ہو گا۔

1) بائبل میں ابن و بنت کا استعمال

2) قرآن پاک میں ابن و بنت کا استعمال

بائبل میں ابن و بنت کا استعمال

بائبل کی دو آیات ایسی ہیں، جس میں ان نسبتی الفاظ کا استعمال مجازی ہے:

(1):۔ ایضاً

(2):۔ (التحریم 66، 12،)

(3):۔ (مریم 19، 28/27،)

پہلی آیت: انجیل متی میں مذکور ہے: "یُسوع مِسیحِ اِبنِ داؤدِ اِبنِ ابرهام کا نسب نامہ" [1]

دوسری آیت: متی ہی میں مذکور ہے: "وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خُداوند کے فرشتہ نے اسے خواب دکھائی دے کر کہا اے یُوسُف اِبنِ داؤد اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔" [2]

مسیحی مذعومہ تصورات کے مطابق مریم علیھا السلام کے منگیتر یوسف تھے، فرشتے نے اس شخص کو مخاطب "یوسف اِبنِ داوٗد" سے کیا۔ اور یہ اور یہ یوسف نامی شخص جنابِ داوٗد علیہ السلام کا بیٹا نہیں تھا۔ ان بائبلی آیات سے یہ بات واضح ہوئی کہ نسبتی الفاظ بائبل میں مجازی معنیٰ میں مستعمل ہیں۔ [3]

قرآن پاک میں ابن و بنت کا استعمال

قرآن کریم میں کئی مقامات پر اسمِ مریم علیھا السلام کے علاوہ نسبتی الفاظ کا استعمال مجازی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰبَنِيٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۲۷) [4]

ترجمہ: (اے آدم کی اولاد خبردار تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈالے جیسا تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکالا اتروادیئے ان کے لباس کہ ان کی شرم کی چیزیں انہیں نظر پڑیں بے شک وہ اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے بے شک ہم نے شیطانوں کو ان کا دوست کیا ہے جو ایمان نہیں لاتے)

"بنی" کا لفظ بیٹوں کے لئے ہے اور یہاں مخاطبین براہِ راست جنابِ یعقوب علیہ السلام کے بیٹے نہیں تھے بلکہ نسبتاً انہیں جنابِ آدم سے خطاب کیا گیا،

رشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (۴۷) [5]

ترجمہ: (اے اولادِ یعقوب یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور یہ کہ اس سارے زمانہ پر تمہیں بڑائی دی)

یہودِ مدینہ کو اس آیت سے خطاب ہوا حالانکہ ان میں سے براہ راست جنابِ یعقوب علیہ السلام کا بیٹا نہیں تھا بلکہ آباؤاجداد کی جانب منسوب کیا گیا اسی طرح قرآن کریم کی اس آیت میں اسم ذاتی کے ساتھ اسمِ نسبت سے خطاب اس وقت کے معترضین نے کیا اور قرآن نے اس حکایت کو بیان کیا:

(1):۔ مجلہ: برائے ادیان وافکار، عنوان: قرآنی قصص مریم علیہ السلام کا ماخذ: استشراقی رجحانات کا تنقیدی جائزہ، مصنف: محمد طیب عثمانی، جلد1، شمارہ1، سال:2019

(2):۔ مجلہ: برائے ادیان وافکار، عنوان: قرآنی قصص مریم علیہ السلام کا ماخذ: استشراقی رجحانات کا تنقیدی جائزہ، مصنف: محمد طیب عثمانی، جلد1، شمارہ1، سال:2019

(3):۔ مجلہ: برائے ادیان وافکار، عنوان: قرآنی قصص مریم علیہ السلام کا ماخذ: استشراقی رجحانات کا تنقیدی جائزہ، مصنف: محمد طیب عثمانی، جلد1، شمارہ1، سال:2019

(4):۔ (الاعراف 9،27)

(5):۔ (البقرہ 2،47،)

قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا (۲۷) يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا (۲۸) [1]

ترجمہ:(بولے اے مریم بے شک تونے بہت بڑی بات کی۔اے ہارون کی بہن تیرا باپ برا آدمی نہ تھا اور نہ تیری ماں بدکار)

سیدہ مریم علیھا السلام کا جنابِ عمران کی دختر ہونے اور اختِ ہارون علیھا السلام کی نسبتیں تمثیلی ہیں۔ سلیمان اے مراد لکھتے ہیں:

Her identification as Amram's daughter and Aaron's sister are meant to highlight her biblical heritage and were not meant to inform the audience of the Qur'an about her direct and brother.

ترجمہ:"قرآن کے مخاطبین کو اس بیان میں مریم علیھا السلام کی شناخت "مریم بنتِ عمران / اختِ ہارون" سے بائبلی توارث کا بتانا ہے نہ کہ براہ راست مریم علیھا السلام کی ولدیت و اخوت" [2]

مذکورہ شواہد سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن کریم نے مریم علیھا السلام کے لئے خطابی الفاظ کا استعمال مجازی طور پر کیا ہے نہ کہ حقیقی۔

حفاظتِ قرآن

قرآن پاک اپنی اصلی شکل میں محفوظ تھا، ہے اور ابد تک رہے گا، دنیا کی کوئی بھی طاقت اس کو مٹانے یا اس میں تحریف وترمیم کرنے میں کبھی نہ کامیاب ہوسکے گی، کیونکہ اس پاک کتاب کی حفاظت کا ذمہ خود باری تعالیٰ نے اٹھار کھا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۹) [3]

ترجمہ:(بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں،)

حفاظتِ قرآن پر اعتراضات

مشہور مستشرق ایف بہل(Bhul) نے دعوہ کیا ہے کہ عہدِ رسالت ﷺ کے ابتداء میں قرآن کریم کی آیات لکھی نہیں جاتی تھی بلکہ ان کی حفاظت کا سارا دارومدار رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے حافظہ پر تھا۔ چنانچہ یہ عین ممکن ہے کہ ابتدائی زمانہ کی قرآنی آیات محفوظ نہ رہی ہوں، اس دعوے کی دلیل میں بہل نے قرآن کریم کی دو آیتیں پیش کی ہیں۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى (۶) اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى (۷) [4]

ترجمہ:(اب ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم نہ بھولو گے مگر جو اللہ چاہے بے شک وہ جانتا ہے ہر کھلے اور چھپے کو)

(1):۔(مریم 19،27/28)

(2):۔ مجلہ: برائے ادیان وافکار، عنوان: قرآنی قصص مریم علیہ السلام کا ماخذ: استشراقی رجحانات کا تنقیدی جائزہ، مصنف: عثمانی محمد طیب، جلد 1، شمارہ 1، سال: 2019

(3):۔(الحجر 15،9)

(4):۔(الاعلیٰ 6،7)

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ط (۱۰۶)[1]

ترجمہ:(جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے)

حفاظتِ قرآن کے بارے میں استشراقی نظریے کا جائزہ

یہ ایک لغو قسم کا اعتراض ہے کیونکہ ان دونوں آیتوں میں قرآن کریم کی منسوخ آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ان دونوں آیتوں سے جو زیادہ بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض آیات کو جب اللہ تعالیٰ نے منسوخ فرمادیا تو ان کی کتابت کو مٹانے کا حکم تو دیا ہی گیا مگر ساتھ ساتھ انہیں لوگوں کے حافظے سے بھی محو کر دیا گیا ورنہ جہاں تک غیر منسوخ آیتوں کا تعلق ہے ان کے بارے میں تو صراحتاً کہا جارہا ہے کہ آپ ﷺ انہیں کبھی بھی بھول نہیں سکیں گے۔اس سے یہ بات آخر کیسے نکل آئی کہ جو آیتیں منسوخ نہیں ہوئیں۔ان کے فراموش ہو جانے کا بھی امکان ہے۔[2]

مصحفِ عثمانی پر مستشرقین کا اعتراض

مصحفِ عثمانی پر مستشرقین کا اعتراض یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خود بھی اپنے تیار کردہ نسخے کو مستند اور صحیح نہیں سمجھتے تھے،لہٰذا جب حضرت عثمان کو اپنی زیر نگرانی تیار کردہ نسخہ پر اعتماد نہیں تھا تو دیگر مسلمان اس کو کس بنیاد پر صحیح اور مستند مانتے ہیں؟[3]

مستشرقین نے مصحفِ عثمانی کو مشکوک بنانے کے لئے دو ضعیف روایات کو اپنا مستدل بنایا ہے،جس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مصحفِ عثمان قابلِ اعتماد نہیں ہے۔پہلی روایت یہ لیتے ہیں کہ:

يحيى بن يعمر قال: قال عثمان رضى الله عنه: إن في القرآن لحنا وستقيمه العرب بألسنتها[4]

ترجمہ:"یحیٰ بن یعمر سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس میں کچھ اغلاط دیکھتا ہوں،جن کو عرب اپنی زبان کی بنیاد پر درست کرلیں گے۔"

دوسری روایت: عن عكرمة الطائي قال: لما أُتِيَ عثمان رضى الله عنه بالمصحف رأى فيه شيئًا من لحن فقال: لو كان المملى من هذيل والكاتب من ثقيف لم يوجد فيه هذا

ترجمہ:"جب مصاحف لکھے گئے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کئے گئے،تو آپ نے ان میں حروف کی غلطیاں پائیں،اور فرمایا: اگر املاء کرانے والا ہذیل میں سے اور کاتب ثقیف قبیلے سے ہوتا تو وہ اس میں یہ نہ پاتا۔"[5]

---

(1):۔(البقرہ،2،106)

(2):۔ قرآن حکیم اور مستشرقین: صفحہ،73: کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی،اسلام آباد،م: ثناء اللہ حسین،کوڈ نمبر،(4576)

(3):۔ مستشرقین کے مصحفِ عثمانی پر شبہات کا تنقیدی مطالعہ: مصنف،سعید الحق،صالح الدین،مجلہ،2020ء،شمارہ:2،

(4):۔ كتاب المصاحف، ص229، رقم108،تاليف ابوبكر عبد الله بن سليمان بن اشعث السجستاني الحنبلي طبع دار البشائر الاسلاميه

(5):۔ كتاب المصاحف، ص231/232، رقم110،تاليف ابوبكر عبد الله بن سليمان بن اشعث السجستاني الحنبلي طبع دار البشائر الاسلاميه

مصحفِ عثمانی پر اعتراض کا جائزہ

علامہ شمس الحق افغانی نے مستشرقین کے اس اعتراض کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ: یہ دونوں روایات قابلِ اعتماد نہیں ہیں کیونکہ ان دونوں میں اضطراب اور انقطاع ہے، علامہ شمس الحق افغانی پہلی روایت پر جرح کرتے ہوئے علامہ آلوسی کا قول نقل کرتے ہیں: فالحق ان ذالك لا یصح عن عثمان و الخبر ضعیف مضطرب منقطع۔ ترجمہ: حق بات یہ ہے کہ: یہ روایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بالکل ثابت نہیں ہے اور یہ خبر ضعیف، مضطرب اور منقطع ہے۔

ایک دوسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ: روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ارکانِ جمع قرآن کو مخاطب کرکے فرمایا: "احسنتم و اجملتم" تم نے اچھا اور عمدہ کام کیا، جیسا کہ علامہ آلوسی نے لکھا ہے:

لما فرغ من المصحف اتی به عثمان فنظر فیه فقال احسنتم و اجملتم، ترجمہ: جب مصحف تیار ہوئی تو اسے حضرت عثمان کے پاس لے آئے آپ نے دیکھ کر فرمایا: آپ لوگوں نے بڑا اچھا کام کیا ہے۔

اس پر استدلال کرتے ہوئے علامہ افغامی لکھتے ہیں: کہ اگر مجموعہ میں غلطی ہوتی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غلطی کی تحسین کس طرح کر سکتے تھے۔[1]

قرآن کے وحی الہی ہونے میں مستشرقین کا اعتراض

کلیر ٹزڈال، اپنی کتاب "The Original Sources of the Quran" یعنی "قرآن کے اصلی مصادر، چھ ابواب پر مشتمل ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید وحی الہی یا آسمانی کتاب نہیں ہے اور یہ کتاب دورِ جاہلیت کے عرب مذاہب، عیسائیت ویہودیت، صابیت، حنیفیت اور دین زرتشت کے افکار واعمال کا ملغوبہ ہے۔

ٹزڈال کی کتاب کا پہلا باب تعارفی ہے، اس باب میں اس نے قرآن مجید کو اللہ کے رسول ﷺ کی ذاتی تصنیف قرار دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اگر ہم سورتوں کو ترتیت نزولی کے اعتبار سے جمع کریں ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ قرآن مجید اور پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی میں پیش آنے والے حالات وواقعات میں حد درجہ مماثلت ہے جو اس باب کی دلیل ہے کہ پیغبر اسلام ﷺ ایک کامیابی کے حصول میں موقع بموقع حالات کے مطابق وحی گھڑتے رہتے اور اپنے متبعین کو یہ باور کراتے رہے کہ یہ آسمانوں سے خدا کی طرف سے نازل ہو رہی ہے۔ ٹزڈال کے الفاظ ہیں:

When the surahs are arranged in the chronological order of their composition and compared with the events in Muhammad's life, we see that there is mush truth in the statement that passages were—not, as Muslims say, revealed, but---composed from time to time, as occasion required, to sanction each new departure made by Muhammad. The Qur'an

(1):۔ مستشرقین کے مصحفِ عثمانی پر شبہات کا تنقیدی مطالعہ: مصنف، سعید الحق، صالح الدین، مجلہ، 2020ء، شمارہ:2،

is a Faithful mirror of the life and character of its author. It breathes the air of the desert. It enables us to hear the battle-cries of the prophet's followers as they rushed to the onset, it reveals the working of Muhammad's own mind. And shows the gradual declension of his though visionary enthusiast into the conscious impostor and open sensualist.[1]

قرآن کے وحی الہی ہونے میں، ہونے والے مستشرقین کے اعتراض کا جائزہ

نزڈال کا یہ اعتراض نہایت ہی سطحی ہے کیونکہ قرآن مجید کی آیات کا اللہ کے رسول ﷺ کے احوالِ زندگی سے موافق ہونے کی وجہ بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ اور ان کے متبعین کی رہنمائی چاہتے ہیں لہذا آپ اور صحابہ رضی اللہ عنھم کی جماعت کو جس طرح کے حالات ومسائل کا سامنا تھا، اسی کے مطابق وحی نازل ہوتی رہی۔ یہ تو کسی کلام کا نقص شمار ہو گا کہ اس میں مستقبل کی رہنمائی تو ہو لیکن قوم کو درپیش حالیہ آزمائشوں سے نکلنے کا کوئی رستہ تجویز نہ کیا گیا ہو۔ کیا خدا کے کلام کے بارے ہم ایسا سوچ بھی سکتے ہیں کہ وہ جس دَور اور قوم میں نازل ہو رہا ہو اس دَور اور قوم دونوں کے مسائل کو یکسر نظر انداز کر دے، پس قرآن مجید میں محمد ﷺ اور آپ کی جماعت کو درپیش، مسائل سے مسلسل خطاب، اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ یہ پیغمبر اسلام کی ذاتی تصنیف ہے۔[2]

قرآن پاک کا نبی پاک ﷺ کے زمانے میں تحریری صورت میں نہ ہونے میں مستشرقین کا اعتراض

آرتھر جیفری مشہور مستشرق کا کہنا ہے کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کے زمانے میں قرآن مجید تحریری صورت میں موجود نہیں تھا۔ اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

To begin with it is quite certain that when the prophet died there was no collected, collated, arranged body of material of his revelations. What we have is what could be gathered together somewhat later by the leaders of the community when they began to feel the need of a collection of the prophet's proclamations and by that time much of it was lost, and other portions could only be recorded in fragmentary form. There is a quite definite and early Tradition found in several sources which says, "The prophet of Allah was taken before any collection of the Qur'an had been made."[3]

جیفری نے اپنے اس موقف کی بنیاد جس روایت کو بنایا ہے، اس کے الفاظ ہیں:

عن زید بن ثابت قال قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یکن القرآن جمع فی شیئ[4]

---

(1):۔ اسلام اور مستشرقین، صفحہ:29،28، رحمۃللعالمین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر،

(2):۔ اسلام اور مستشرقین، صفحہ:31،30، رحمۃللعالمین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر،

(3):۔ اسلام اور مستشرقین، صفحہ:39، رحمۃللعالمین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر،

(4):۔ الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی، ص133، سن اشاعت 1857، طبع: کلکتہ،

”ترجمہ: اللہ کے رسول کی وفات اس حال میں ہوئی کہ قرآن مجید کسی چیز میں جمع نہیں کیا گیا تھا۔“

قرآن پاک کا نبی پاک ﷺ کے زمانے میں تحریری صورت میں نہ ہونے میں مستشرقین کے اعتراض کا جائزہ

اس روایت میں قرآن مجید کے ایک جگہ جمع ہونے کا مسئلہ زیرِ بحث ہے نہ کہ کتابت کا، لہٰذا آرتھر جیفری کا استدلال درست نہیں ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں قرآن مجید ایک کتاب کی صورت میں ”بین الدفتین“ (Between Covers) جمع نہیں کیا گیا بلکہ متفرق اجزاء کی صورت میں لکھا ہوا موجود تھا۔ صحیح روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم آپ کی زندگی میں قرآن کریم لکھا کرتے تھے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ: حدثنا قتادة قال: سألت أنس بن مالك رضي الله عنه: من جمع القرآن على عهد النبي صلى الله عليه وسلم ﷺ قال: أربعة كلهم من الأنصار: أبي بن كعب، ومعاذ بن جبل، وزيد بن ثابت، وأبو زيد۔[1]

”ترجمہ: اللہ کے رسول ﷺ کے زمانہ میں کسی نے قرآن جمع کیا؟ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: چار لوگوں نے اور وہ چاروں انصاری ہیں: ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابو زید رضی اللہ عنہم۔[2]

آیات کے بھلادیے جانے پر اعتراض

منٹگمری واٹ نے قرآن پاک پر ایک اعتراض اس کی آیات کے بھلادیے جانے پر بھی کیا ہے، وہ لکھتا ہے:

"it is next to be noted, however, that in one or two passages the Quran envisages the possibility that Muhammad may forget certain verses; and this, of course, is tantamount to revision by omission or deletion, even though the forgetting is caused by god. Incidently , this implies that the revelation were not written down."[3]

ترجمہ: ”اس بات کو ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ ایک دو آیتوں میں قرآن بیان کرتا ہے کہ ممکن ہے حضور ﷺ چند آیات بھول گئے ہوں۔ یہ بھلادیے جانے کا عمل حذف کے ذریعے نظر ثانی کے مترادف ہے، اگرچہ بھلوانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس بات سے ضمناً یہ بھی پتا چلتا ہے کہ قرآن حکیم لکھا ہوا نہیں تھا۔“

(1):۔ صحیح البخاری جلد سوم، ص 2289، کتاب فضائل القرآن باب القراء من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، الرقم 5003، طبع البشری

(2):۔ اسلام اور مستشرقین، صفحہ: 39، 40، رحمۃ للعالمین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر،

(3):۔ ضیاء النبی ﷺ: ج، 6، صفحہ: 451، مطبوعہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

آیات کے بھلا دیے جانے پر مستشرقین کے ہونے والے اعتراض کا جائزہ

علامہ پیر کرم شاہ الازہری صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: قرآن حکیم میں اس بات کی وضاحت کہیں بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو کچھ آیات فراموش کروادی تھیں۔ مستشرقین جن آیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں ان میں سے ایک تو وہی ہے جس میں نسخ اور بھلا دیے جانے کا ذکر ہے:

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَآ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ (۱۰۶) [1]

ترجمہ: (جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے)

اور دوسری آیت یہ ہے،

سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰٓى ۙ(۶) اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ وَمَا يَخۡفٰى ؕ(۷) [2]

ترجمہ: (اب ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم نہ بھولو گے، مگر جو اللہ چاہے بے شک وہ جانتا ہے ہر کھلے اور چھپے کو)

ان میں سے پہلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنی سنت بیان فرمارہا ہے کہ ہم اپنے بندوں کو اپنی قدرت کی بے شمار نشانیاں دکھاتے رہتے ہیں اور ان کی ہدایت ور ہنمائی کے لئے آیات بھی نازل فرماتے رہتے ہیں۔ ہم ان میں سے جن آیات کو قائم رکھنا چاہتے ہیں انہیں قائم رکھتے ہیں اور جن کو فراموش کرانا چاہتے ہیں انہیں فراموش کرادیتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جو کسی زمانے سے مخصوص نہیں ہے۔ یہاں امساء (بھلوادینا) نسخ کی ہی ایک قسم ہے۔ اور نسخ کا تعلق حکم سے ہے، کبھی حکم منسوخ ہو جاتا ہے اور آیت کی تلاوت باقی رہتی ہے، لیکن انساء کے ذریعے نسخ کی اس قسم کو بیان کیا جارہا ہے جس میں حکم کے ساتھ ساتھ تلاوت بھی منسوخ ہو جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے ذہنوں سے بھی ان آیات کو محوّ فرمادیتا ہے۔

اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا بیان فرمارہا ہے کہ اے حبیب! آپ کو قرآن حکیم یاد رکھنے کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم آپ کو پڑھائیں گے اور اس طرح پڑھائیں گے کہ آپ کچھ نہیں بھولیں گے۔ ہاں! اگر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے کسی چیز کو فراموش کروانا چاہے تو علیحدہ بات ہے۔[3]

قرآنی قصص اور تاریخ پر مستشرقین کا اعتراض

قرآن کریم میں انبیاء علیہ السلام اور ان کی اقوام کے قصص بیان ہوئے ہیں ان کی صداقت اور واقعیت پر ایمان ضروری ہے جیسے کہ قرآن کریم کے دوسرے تفصلات پر ایمان ضروری ہے ان واقعات اور تاریخی حقائق کے بارے میں مستشرقین کا خیال ہے کہ یہ سب از خود گڑھ لیے گئے ہیں اور ساتھ ساتھ اخذ و استفادہ کا بھی الزام لگایا گیا ہے کہ قرآن کے زیادہ تر قصے قدیم اقوام سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں قابیل اور ہابیل کے واقعہ کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ یہ یہودی سُنی سُنائی روایتوں سے

(1):۔(البقرہ2، 106)

(2):۔(الاعلیٰ87، 6/7)

(3):۔ضیاء النبی ﷺ: ج، 6، صفحہ: 451، 452: مطبوعہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

ماخوذ ہیں۔ اس طرح آدم علیہ السلام اور آتش نمرود کے واقعہ کے بارے میں مستشرقین نے لکھا کہ: "قرآن میں یہ قصہ مسلسل طور پر ایک جگہ بیان نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن مسلمانوں نے اس کے منتشر اجزاء اور اس کی کڑیاں ملا کر ایک مفصل قصہ تیار کر لیا ہے جو کہ اصلاً مرداش ربہ Mirdash Rabba سے ماخوذ ہے۔ اسی طرح ملکہ سبا اور سلیمان، ہاروت ماروت، مستشرقین کا کہنا ہے کہ یہ سارے قصے یہودیوں یا بائیبل کے نسخوں سے ماخوذ ہیں۔ [1]

قرآنی قصص اور تاریخ پر مستشرقین کے ہونے والے اعتراض کا جائزہ

قرآن کریم میں بلاشبہ قصص و تاریخی واقعات بیان ہوتے ہیں۔ ان کو من گھڑت قرار دینا اور ان کی صحت واقعیت سے انکار کرنا دانشمندی نہیں گمراہی اور بدقسمتی ہے اور گویا یہ بات ایسی ہے کہ آدمی اپنے ماقبل انسانی تاریخ کی حقیقتوں اور واقعات سے انکار کر دے۔ بائبل اور ماقبل صحیفوں میں بھی ان میں سے بعض واقعات بیان کیے گئے ہیں لیکن ان کی صحت پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان کتابوں میں تحریف اور اضافہ معلوم و مسلم ہے۔ ان واقعات کو صحیح رنگ اور پوری صحت کے ساتھ کوئی کتاب پیش کرتی ہے تو وہ قرآنِ کریم ہے۔ اب ان کے بارے میں قرآن کریم کی صحت پر شبہ کرنا انسان کی بدقسمتی کی سب سے بڑی مثال ہو گی۔ بائبل میں بزرگ انبیاء کے واقعات مسخ شدہ حالت میں پائے جاتے ہیں۔ اُن کے انبیائی کردار کو داغ داغ تو کیا ہی گیا ہے انسانی کردار بھی بھیانک صورت میں نظر آتا ہے (متعلقہ قصوں کا قرآن اور بائیبل سے موازنہ کیا جاسکتا ہے) جب کہ قرآن میں ان بزرگ پیغمبروں اور ہستیوں کی زندگیوں کو انسانیت کے لئے نمونہ بنا کر پیش کیا گیا ہے اس کے باوجود ان کو بائیبل وغیرہ سے ماخوذ ماننا انصاف کی بات نہیں ہے۔ [2]

(1):۔ قرآن حکیم اور مستشرقین: صفحہ، 98/99: کلیہ عربی وعلوم اسکامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، م: ثناء اللہ حسین، کوڈ نمبر، (4576)
(2):۔ قرآن حکیم اور مستشرقین: صفحہ، 99: کلیہ عربی وعلوم اسکامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، م: ثناء اللہ حسین، کوڈ نمبر، (4576)

فصلِ دوم: حدیث پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ

حدیث اور مستشرقین

مستشرقین نے قرآن حکیم پر اعترض کرنے پر منہ کی کھانے کے بعد ، حدیث رسول ﷺ کی طرف منہ کیا اور اس پر اعتراضات و الزامات کی بوچھار کر ڈالی، اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ قرآن حکیم کے بعد مسلمانوں کا سب سے زیادہ اعتماد و یقین حدیثِ رسول ﷺ پر ہی ہے، اور حدیث رسول ﷺ ہی وہ واحد راستہ ہے جس پر چل کر شمع رسالت کے پروانے اس عہد میمون میں پہنچ سکتے ہیں جس میں وہ اپنے رسول ﷺ کے دہن پاک سے نکلنے والی صدائے دلنواز سے شاد کام ہو سکتے ہیں، اور آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی صبح و شام کی جلوہ آرائیوں کا نظارہ کر سکتے ہیں، ان کے کردار وافکار کو آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں، اگر اس کو اعتراضات و الزامات کے ذریعہ نا قابلِ یقین بنا دیا جائے تو پھر ان سعادتوں کی حصولیابی کا یہ واحد ذریعہ بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔

حدیثِ نبوی ﷺ کے متعلق مستشرقین کا نظریہ

مستشرقین جب قرآن حکیم کو حضور ﷺ کا کلام کہتے تھے ، تو وہ مجبور تھے کہ احادیثِ طیبہ کے متعلق کوئی اور مفروضہ تراشیں ، یہ بات ان کو مناسب معلوم نہیں ہوتی تھی کہ قرآن کریم اور احادیثِ طیبہ دونوں ہی کو حضور ﷺ کا کلام قرار دیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ابتداء میں مسلمانوں کے ہاں احادیث کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ دوسری یا تیسری صدی ہجری میں ، جب مسلمانوں کو نئے نئے مسائل سے واسطہ پڑا اور ان میں باہم مذہبی اور سیاسی اختلافات نے زور پکڑا، تو انہوں نے اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لئے خود احادیث تراشیں اور انہیں حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دیا۔ مستشرقین یہ الزام کسی گمرہ فرد یا فرقے پر نہیں لگاتے بلکہ اس الزام کی زد میں مسلم حکومتیں، فقہائے کِرام اور محدثینِ عِظام سب آتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، امام بخاری جیسی ہستیاں جن کی زندگیاں احادیثِ رسول ﷺ کی حفاظت اور خدمت کے لئے وقف ہوئیں۔

مستشرقین کی عیاری

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی للہ عنہ کے دور حکومت میں خلیفہ راشد کہ جنہوں نے حدیث کو جمع کرنے کا کارنامہ سرانجام دیا۔ ان کے دل میں اس منتشر علم کو ایک جگہ سمیٹنے کی خواہش تھی، تو انہوں نے یہ عظیم تاریخی کارنامہ سرانجام دینے کی مُہم امام زہری کے سپرد کی اس کی وجہ یہ تھی کہ خود علمِ حدیث پر ان کی گہری نظر تھی جس کی وجہ سے خلیفہ کو معاصرین میں کوئی ایسا نظر نہ آیا جو اس فن میں اپنی پوری مہارت و بصیرت وقف کر کے حدیث کو جمع کر سکے اور جس کے حافظۂ پر اعتماد کیا جا سکے۔ یہی معنی مؤرخین اور علماء کے اس قول کا: اول من دون العلم ابن شھاب۔ سب سے پہلے جنہوں نے علم (حدیث) مدون کیا وہ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔ یعنی سرکاری طور پر ذمہ دار حکمرانوں کی طرف سے جس نے سب سے پہلے علمِ حدیث کو مدون کیا وہ آپ ہی تھے۔ ان سے جب سوال کا گیا کہ آپ نے احادیث کیوں لکھیں؟ تو جواب میں انہوں نے یہ فرمایا: "ان ھؤلاء الامراء اکرھونا علی کتابۃ الاحادیث۔" کہ ان امراء نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم احادیث کو لکھیں۔ یعنی جمع کر کے اسے مرتب کریں۔

اب مستشرقین نے امام زہری مرحوم رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں انہوں نے لفظ "کتابۃ الاحادیث" کا استعمال کیا جسے مستشرقین نے بڑی عیاری سے تحریف کر کے اس کا معنی بگاڑ دیا: " ان ھؤلاء الامراء اکرھونا علی کتابۃ الاحادیث" کو "کتابۃ

احادیث" بغیر الف لام کے لکھ کر اس کا معنی یہ کر دیا کہ "ان امراء نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم احادیث کو گھڑیں۔" اور امام محترم پر فردِ جُرم عائد کر دی گئی کہ یہی صاحب ہیں جنہوں نے احادیث کو اپنی طرف سے لکھ دیا۔ یہی تو وہ صفائی ہے جسے ہمارا دانش ور سمجھ نہ سکا اور اپنی دانش کو غیروں کے حوالے کر کے اپنی دانش کا ماتم کر رہا ہے۔(1)

ادوارِ حدیث

حدیث کے بارے میں مغربی اسکالرز کے رویے کو چار اَدوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا مرحلہ ابتدائی دورِ تشکیک (early scepticism) کہلاتا ہے۔ دوسرا مرحلہ دورِ تشکیک کے خلاف ردِ عمل (reaction against scepticism) کا ہے۔ تیسرا مرحلہ درمیانی راہ تلاش کرنے (an attempt to search a middle ground) کا ہے ۔ اور چوتھا تشکیکِ جدید (Neo-scepticism) کا دور ہے۔

1) گولڈ زیہر اور جوزف شاخت کا تعلق پہلے دور سے ہے۔ گولڈ زیہر کا خیال ہے کہ اکثر احادیث پہلی دو صدیوں میں اسلام کی مذہبی، تاریخی اور سماجی ترقی کا نتیجہ ہیں۔ اس نے اپنی کتاب "Muhammadanische Studien" کی دوسری جلد میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔ شاخت کا کہنا ہے:

We shall not meet any legal tradition for the prophet which can be considered authentic.

"فقہی مسائل سے متعلق ہمیں پیغمبرِ اسلام سے کوئی ایک بھی حدیث نہیں ملی کہ جسے ہم 'صحیح' حدیث قرار دے سکیں۔"

2) دوسرے دور کے نمایا اسکالرز میں نابیہ ایبٹ ہے۔ نابیہ کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ گولڈ زیہر اور شاخت کا 'وضع حدیث' (Hadith Fabrication) کا نظریہ غلط ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ جو مستشرقین ہجرت کے زمانے کے بعد احادیث کی کثرت کو بنیاد بناتے ہوئے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مدنی زندگی کے دس سالوں میں لاکھوں احادیث کا صادر ہونا ایک ناممکن امر ہے تو ان کو ہمارا جواب یہ ہے کہ ہجرت کے بعد کے زمانہ میں کثرتِ احادیث کی وجہ کثرتِ متن نہیں، بلکہ کثرتِ اسناد ہے۔

3) تیسرے مرحلے کے نمایاں مستشرقین میں جیوئن بال G.H.A.Juynboll اور جرمن مستشرقین ہاہائیڈ موٹسکی Harald Motzki ہیں۔ جیوئن بال اگرچہ شاخت سے متاثر ہے لیکن وہ حدیث کے بارے میں اس کے انتہائی تشکیک پسندانہ رویے سے متفق نہیں ہے۔ وہ جوزف شاخت کے نقطہ نظر کو کچھ تنقیح کے بعد قبول کرتا نظر آتا ہے۔ اس نے شاخت کی حدیث کے بارے میں Thcory Common link کو مہذب (refine) کیا ہے۔ شاخت کے نزدیک حدیث کی اسناد دوسری صدی ہجری کے نصف ثانی میں وضع (create) کی گئیں تو جیوئن بال کے نزدیک حدیث کا مرجع (source) پہلی صدی ہجری کا آغاز ہے۔ ہاہائیڈ نے پہلی صدی ہجری کی احادیث کی سند کا ماخذ معلوم کرنے کے لیے tradition-historical کا اصول استعمال کیا۔

---

(1):۔ حدیث رسول ﷺ حقیقت، اعتراض اور تجزیہ، صفحہ / 201، م: محمد ادریس زبیر۔ ناشر، الھدی پبلی کیشنز، اسلام آباد

4) چوتھے مرحلے کے نمایاں لوگوں میں مائیکل کوک Michael Allan Cook(1940ء پیدائش) اور نورمن کولڈ زیہر Norman Calder(1950-1998ء) کا نام ملتا ہے۔ یہ دونوں گولڈ زیہر اور جوزف شاخت سے بھی زیادہ تشکیک پسند ہیں۔[1]

حدیث پر کام کرنے والے مستشرقین کا اجمالی تعارف

حدیث پر کام کرنے والے مستشرقین اور ان کی تصانیف

گستاف وائل(1889-1808)GUSTAV WEIL:

علم حدیث کے حوالے سے کام کرنے والا سب سے پہلا نام جو تاریخ میں ہمیں ملتا ہے وہ گستاف وائل کا ہے اس نے اپنی کتاب Geschichte der chaliphen میں یہ رائے پیش کی کہ صحیح بخاری کی تمام روایات کو رد کر دینا چاہیے۔

آلوئز سپرنگر(1893-1813)A LOYS SPERNGER:

اس کی کتاب Das leben und did Lehredes Mohammad ہے۔ اس نے اپنی کتاب میں یہ ذخیرہ احادیث کی بڑی تعداد موضوع کی نسبت صحیح احادیث پر مشتمل ہے۔ اس کی یہ کتاب تین جلدوں میں 1825ء 1821ء کے مابین شائع ہوئی۔

رائن ہرچ ڈوزے(1883-1820)REINHART DOZY:

یہ ایک ڈچ اسکالر ڈچ ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب Het Islamisme میں یہ رائے پیش کی کہ صحیح بخاری کی نصف روایات صحیح ہیں۔

اگناز گولڈ زیہر(1850-1921):

اگناز گولڈ زیہر یہودی مستشرق ہے۔ یورپ میں نولڈیکے کی طرح اسے بھی جدید علومِ اسلامیہ کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ نولڈیکے جس طرح قرآنیات میں مستشرقین کا امام ہے تو بالکل اسی طرح اگناز گولڈ زیہر کو علومِ حدیث میں مستشرقین کی پیشوائی کا مقام حاصل ہے اگناز گولڈ زیہر ہی وہ پہلا مستشرق ہے جس نے حدیث پر باقاعدہ نقد کرتے ہوئے اپنا نقطۂ نظر جامع، منظم اور محقق انداز میں پیش کیا۔[2]

سب سے پہلے حدیث پر کلام کرنے والا شخص

گولڈ زیہر

گولڈ زیہر احادیث نبوی کا بہت بڑا عالم تھا، اس نے اپنی کتاب 'دراسات محمدیہ' کے دوسرے حصے میں حدیث کے ارتقا پر بڑی عمیق بحث کی ہے حدیث کے متعلق اسے جو گہری معلومات اور بے مثال ملکہ تھا اس کی بِنا پر اس نے حدیث کے خارجی اور داخلی اِرتقا پر ہر

(1):۔ اسلام اور مستشرقین، صفحہ :90/91، رحمۃللعالمین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر،

(2):۔ Artical، علوم حدیث پر مستشرقین کی تنقیدات اور مصطفیٰ اعظمی کا منہج تحلیل و تجزیہ "اسماء گل" "ڈاکٹر یاسر عرفات" (156)/ القلم دسمبر 2018

پہلو سے بحث کی ہے، حدیث کے موضوع پر مسلسل اور عمیق تحقیق نے اس کے دل میں حدیث کے متعلق شکوک پیدا کر دیئے احادیث پر اس کا اعتماد ختم ہو گیا، بلکہ یہ کہنا صحیح ہو گا کہ گولڈ زیہر احادیث پاک کو پہلی اور دوسری صدی ہجری میں اسلام کے دینی، تاریخی اور اجتماعی ارتقا کا نتیجہ قرار دیتا ہے، لہٰذا گولڈ زیہر کے نقطۂ نگاہ سے حدیث کو اسلام کے دَور اوّل یعنی عہد طفولیت کی تاریخ کے لئے قابلِ اعتماد دستاویز نہیں قرار دیا جا سکتا ہے، کیونکہ حدیث ان کوششوں کا نتیجہ ہے جو اسلام کے عروج میں اسلام کے ارتقا کے لئے کی گئیں، گولڈ زیہر اس بات پر بڑے پُر زور دلائل پیش کرتا ہے کہ اسلام متحارب قوتوں کے درمیان ارتقائی منازل طے کرتا ہوا منظم شکل میں نمودار ہوا، وہ حدیث کے تدریجی ارتقاء کی بھی تصویر کشی کرتا ہے اور ناقابل تردید دلائل سے یہ ثابت کرتا ہے کہ حدیث کس طرح اپنے زمانے کی روح کا عکس تھی، اور کس طرح مختلف نسلوں نے احادیث کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کیا اور کس طرح اسلام کے مختلف گروہ اور فرقے اپنے اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لئے موسس اسلام کا سہارا لیتے تھے، اور کس طرح انہوں نے ایسی باتوں کو اپنے رسول کی طرف منسوب کیا جو ان کی حمایت کرتی تھیں۔(1)

ان مستشرقین کا ذکر کہ جنہوں نے گولڈ زیہر سے پہلے حدیث کے بارے میں اپنی کسی رائے کا اظہار کیا

اگناس گولڈ زیہر سے پہلے گستاف وائل (1808-1889) Gustav Weil کا نام ہمیں ملتا ہے کہ جس نے اپنی کتاب "Geschichte der Chaliphen" میں یہ رائے پیش کی کہ صحیح بخاری کی تمام روایات کو رد کر دینا چاہیے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد سپر نگا Aloys Sprenger (1813-1893) نے اپنی کتاب "Das Leben und die Lehre des Mohammad" میں یہ بات کہی کہ ذخیرہ احادیث کی ایک بڑی تعداد 'موضوع' (fabricated) کی نسبت 'صحیح' احادیث پر مشتمل ہے اس کی یہ کتاب تین جلدوں میں 1861ء سے 1865ء کے مابین شائع ہوئی۔ اس کے بعد ولیم میور William Muir (1819-1905) نے اپنی کتاب "The Life of Mohammad" میں حدیث کی صحت و ضعف معلوم کرنے کے لیے اپنا ایک ذاتی معیار متعارف کروایا۔ اس کے نزدیک احادیث کی حیثیت ایک تاریخی رکارڈ (historical facts) کی سی ہے۔ علاوہ ازیں گولڈ زیہر سے پہلے ڈچ اسکالر رائن ہرچ ڈوزے Reinhart Dozy (1820-1883) نے اپنی کتاب "Hit Islamisme" میں یہ رائے پیش کی ک صحیح بخاری کی نصف روایات 'صحیح' ہیں۔(2)

مستشرقین کے علمِ حدیث پر اعتراضات

ادوارِ حدیث پر مستشرقین کا اعتراض

گولڈ زیہر کا خیال ہے کہ اکثر احادیث پہلی دو صدیوں میں اسلام کی مذہبی، تاریخی اور سماجی ترقی کا نتیجہ ہیں۔ اپنی تصنیف کی "Muhammad studien" دوسری جلد میں اس نے حدیث کے بارے میں اپنا وضع حدیث "Fabrication of Hadith"

---

(1):۔ ضیاء النبی ﷺ: ج، ہفتم، صفحہ 18، مطبوعہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

(2):۔ اسلام اور مستشرقین، صفحہ: 92، رحمۃ للعالمین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر،

"کا نظریہ پیش کیا۔ اس کے بقول اپنے ذاتی مفادات کی خاطر احادیث گھڑنے کا عمل پیغمبرِ اسلام ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہ کے دور سے شروع ہو گیا تھا۔ اس کے الفاظ ہیں:

" Prophet PBUH death they add many salutary sayings which were thought to be in accard with his sentiment and could there in their view, legitimacy be ascribed to him,...... of whose soundness they were in general convinced."(1)

وضع حدیث پر مستشرقین کا اعتراض

گولڈ زیہر کہتا ہے کہ (نعوذ باللہ) صحابہ نے بالعموم معاویہ بن ابو سفیان، مغیرہ بن شعبہ، عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم نے بالخصوص احادیث گھڑی، نعوذ باللہ اس کا کہنا ہے کہ معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے گورنر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے سرکاری سرپرستی میں احادیث گھڑنے کا عمل اس وقت شروع ہوا جب انہوں نے اپنے ممبر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بُرا بَھلا کہنے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدح وثنا کی سرکاری مہم چلائی۔ اس کے الفاظ ہیں:

"Official influence on the invention, dissemination and suppression of tradition given to his obedient governor al-mughirah by muawiyah-1 is in the spirit ummayads; do not tire of abusing mercifulness for uthman."(2)

حضور ﷺ کی معجزانہ شان پر اعتراض

ول ڈیوران (Will Durant) ان احادیثِ طیبہ کے متعلق جن میں حضور ﷺ کی کسی معجزانہ شان کا ذکر ہے، یہ تبصرہ کرتا ہے:

"Many of the traditions put a new color upon the moslem creed. Mohamad had not claimed the power of miracles, but hundreds of pretty traditions told of his wonder-working: how he fed a multitude from food hardly adequate for one man; drew rain from heaven by one prayer, and stopped it by another; how he touched the udders of dry goats and they gave milk; how the sick were healed by contact with his clothes or his shorn hair. Christian influences seem to have molded many of the traditions; love towards one's enemies was inculcated, though Mohammad had sterner views; the Lord's Prayer was adopted from the Gospels; the parables of the sower, the wedding guests, and the laboers in the vineyard were

---

(1):۔Artical، علوم حدیث پر مستشرقین کی تنقیدات اور مصطفیٰ اعظمی کا منہج تحلیل و تجزیہ "اسماء گل" ڈاکٹر یاسر عرفات" (156) / القلم دسمبر 2018

(2):۔Artical، علوم حدیث پر مستشرقین کی تنقیدات اور مصطفیٰ اعظمی کا منہج تحلیل و تجزیہ "اسماء گل" ڈاکٹر یاسر عرفات" (156) / القلم دسمبر 2018

put into Mohammed,s mouth; all in all, he was transformed into an excellent Christian, despite his nine wives".[(1)]

"بہت ساری احادیث نے مذہبِ اسلام کو ایک نیا رنگ دے دیا ہے۔ محمد ﷺ نے یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ ان کے پاس معجزات دکھانے کی قوت ہے، لیکن سینکڑوں حدیثیں ان کے معجزانہ کارناموں کا پتہ دیتی ہیں، کہ کس طرح انہوں نے اس کھانے سے ایک مجمع کو سیر کیا جو صرف ایک آدمی کے لئے بمشکل کافی تھا؟ اور کسی طرح وہ جن نکالتے تھے؟ ایک دعا سے آسمانوں سے بارش اتارنے اور دوسری دعا کے ذریعے اسے روک دیتے، وہ ایک بے شیر بکری کی کھیری کو ہاتھ لگاتے اور وہ دودھ دینے لگتی، بیماران کے کپڑوں یا تراشیدہ بالوں کو چھو کر صحت یاب ہو جاتے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اکثر احادیث عیسائی تعلیمات کے زیر اثر تشکیل پزیر ہوئیں۔ دشمن کے ساتھ محبت کرنے کی تعلیم دی گئی حالانکہ محمد ﷺ کا موقف سخت تر تھا۔ خدا کے حضور دعا کا تصور بائیبل سے لیا گیا۔ کاشتکاری، شادی کے مہمانوں اور انگور کے کھیت کے مزدوروں کی تمثیلیں (بائیبل کی نقل میں) محمد ﷺ کی زبان سے ادا کروائی گئیں۔ مختصر یہ کہ نو بیویوں کے باوجود انہیں ایک بہترین عیسائی کے روپ میں پیش کیا گیا۔"

حضور ﷺ کی معجزانہ شان پر اعتراض کا جواب

علامہ پیر کرم شاہ الازہری صاحب اس اعتراض پر تبصرہ کرتے ہوئی فرماتے ہیں کہ "ول ڈیوران" کا یہ اقتباس بتا رہا ہے کہ اس کی نظر میں وہ تمام احادیث جن میں حضور ﷺ کی کسی معجزانہ شان کا ذکر ہے یا وہ احادیث جن میں کوئی ایسی بات بیان کی گئی ہے جو عیسائیت کے ہاں بھی متعارف تھی، ایسی تمام احادیث بعد کے مسلمانوں نے خود گھڑ کر حضور ﷺ کی طرف منسوب کی ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اصولِ حدیث اور تاریخ حدیث پر مسلمانوں کی بیشمار کتابیں دنیا کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ احادیثِ طیبہ کے متعلق مسلمانوں کا جو مؤقف ابتدا سے رہا ہے وہ ہر دور کی تصانیف میں درج ہے، لیکن مستشرق محققین نہ تو مسلمانوں کے مؤقف کی طرف اپنی توجہ مبذول کرتے ہیں اور نہ ہی حدیث کے متعلق مسلمانوں کے چودہ سو سالہ ادب کو کوئی اہمیت دیتے ہیں، بلکہ ان پر جب حدیث کے متعلق تحقیق کا بھوت سوار ہوتا ہے تو وہ گولڈ زیہر اور اس کے نقالوں کی تصانیف کو ہی قابل اعتماد مصادر قرار دیتے ہیں۔ مستشرقین کی تحقیق کا یہ انداز اسلام کے علاوہ کسی اور موضوع کی تحقیق کے دوران بھی اپنانے کو جائز سمجھتے ہیں؟ کیا مسلمانوں کا قصور صرف یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ جو لکھتا ہے الہام (inspiration) کی مدد سے لکھتا ہے، بلکہ اس کے مقابلے میں نہایت ایمان داری سے بتادیتا ہے کہ اس نے یہ بات کس ذریعے سے حاصل کی ہے؟[(2)]

مستشرقین کا اعتراض کہ علماء نے احادیث گھڑئیں

گولڈ زیہر کے بقول بنو امیہ کے دور میں احادیث گھڑنے کا اضافہ ہوا اور یہ کام علماء نے کیا۔ اس کے بقول معاشرے نے جب حکمرانوں کے ظلم و ستم کو دیکھا تو علماء نے ان ظالم حکمرانوں کے خلاف احادیث گھڑی۔ مثلاً وہ روایات جو ان کے خلاف جہاد کو بیان کرتی ہیں۔ اس کے الفاظ ہیں:

---

(1):۔ ضیاء النبی ﷺ: ج، ہفتم، صفحہ /23/24: مطبوعہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

(2):۔ ضیاء النبی ﷺ: ج، ہفتم، صفحہ: 25: مطبوعہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

"Thus the hadith led in the first century a troubled existence, in silent opposition to the ruling element which worked in the opposite direction. The pious cultivated and disseminated in their orders the little that they had saved from early times or acuired by communication. They also fabricated new material for which they could expect recognition only in a small community."[(1)]

مٹون کی بجائے اسناد کی کثرت پر مستشرقین کا اعتراض

مستشرقین نے حدیث کے حوالے سے ایک اور اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ روایات کی نقل کرنے میں متون کی اتنی کثرت نہیں ہے۔ جتنی کہ اسناد کی ہے۔ نابیہ ایبٹ کہتی ہیں کہ محدثین کے نزدیک ایک ہی متن جب دس اسناد سے منقول ہوا تو وہ اسے دس احادیث شمار کرتے ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری کی روایات کی تعداد 7675 ہے۔ جبکہ امام بخاری سے منقول ہے کہ انہوں نے چھ لاکھ احادیث میں سے صحیح بخاری کا انتخاب کیا۔ مستشرقین مثلاًڈ نکن ملڈونلڈ وغیرہ نے طعن بنالیا ہے کہ: امام بخاری کو چھ لاکھ احادیث میں سے ساڑھے سات لاکھ احادیث ہی صحیح مل سکیں۔ لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ احادیث لاکھوں کی تعداد میں گھڑی گئی تھیں۔[(2)]

احادیثِ طیبہ کی اسناد پر مستشرقین کا اعتراض

منٹگری واٹ احادیثِ طیبہ کے متعلق ایک عجیب شوشہ چھوڑتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

"The insistence on complete chains is to be associated with the teaching of ash-ahafi-I, who was roughly a contemporary of al-WAqidi. Once it became fashionable to give complete isnads, sch olars much have been tempted to extend their chains backards to contemporaries of Muhammad. Even when thus added to the chains, however, their addtions may have been sound, since they probably knew in a general way where their predecessors had obtained information. This means only that we cannot rely so fully on the early link of the chains as on the later ones."[(3)]

"احادیث کی مکمل اسناد بیان کرنے کو الشافی کی تعلیمات کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے جو تقریباً واقدی کے ہم عصر تھے۔ جب احادیث کی مکمل اسناد بیان کرنے کا رواج ہو گیا تو لازماً علماء کی یہ خواہش ہوتی ہو گی کہ وہ اپنی اسناد کو حضرت محمد ﷺ کے صحابہ تک پہنچائیں خواہ انہیں اپنی اسناد میں اپنی طرف سے اضافہ کرنا پڑے تاہم اس قسم کے اضافوں کو بھی قابلِ اعتبار سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ غالباً وہ عام طور پر جانتے تھے کہ ان کے پیشروؤں نے یہ معلومات کہاں سے حاصل کیں۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہم جس طرح

(1):۔Artical، علوم حدیث پر مستشرقین کی تنقیدات اور مصطفیٰ اعظمیؒ کا منہجِ تحلیل و تجزیہ "اسماء گل" "ڈاکٹر یاسر عرفات" (156)/ القلم دسمبر 2018

(2):۔Artical، علوم حدیث پر مستشرقین کی تنقیدات اور مصطفیٰ اعظمیؒ کا منہجِ تحلیل و تجزیہ "اسماء گل" "ڈاکٹر یاسر عرفات" (156)/ القلم دسمبر 2018

(3):۔ضیاء النبی ﷺ: ج، ہفتم، صفحہ: 22/23: مطبوعہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

اسناد کی آخری کڑیوں پر اعتبار کر سکتے ہیں اس طرح ان کی ابتدائی کڑیوں پر اعتبار نہیں کر سکتے۔"

احادیثِ طیبہ کی اسناد پر مستشرقین کے اعتراض کا جائزہ

علامہ پیر کرم شاہ الازہری صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: منٹگری واٹ کا یہ شوشہ یا تو مسلمانوں کے اصولِ حدیث کے فن سے اس کی کلیۃً جہالت کا نتیجہ ہے یا پھر احادیثِ طیبہ کے قصرِ رفیع کی بنیادوں پر عمداً کلہارہ چلانے کی بہت بڑی سازش ہے۔ منٹگری واٹ بظاہر یہ دعویٰ نہیں کر رہا کہ مسلمان احادیث گھڑتے تھے، بلکہ وہ شوشہ یہ چھوڑ رہا ہے کہ مسلمان احادیثِ طیبہ کی اسناد گھڑا کرتے تھے۔ اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ مسلمانوں کے ہاں اسناد ہی احادیثِ طیبہ کو قابلِ اعتبار بناتی ہیں اور جب اسناد مشکوک ہو جائیں گی تو احادیثِ طیبہ خود بخود پایہ اعتبار سے گر جائیں گی۔[1]

علماء نے حکمرانوں کے کہنے پر احادیث گھڑیں

گولڈ زیہر کا کہنا ہے کہ علماء نے حکمرانوں کے کہنے پر احادیث گھڑیں، وہ اس پر یہ احادیث کو پیش کرتا ہے کہ: امام زہری (50ھ-124ھ) نے خلیفہ عبد الملک کے لیے بخاری کی وہ روایت وضع کی جس میں آپ ﷺ کی جانب یہ بیان منسوب ہے کہ سفر کا قصد صرف تین مساجد کے لیے کیا جائے: میری مسجد، مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ۔ (قال لا تُشَدُّ الرحال إلاإِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ الْمَسْجِدِ الحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّسُولِ له ومَسْجِدِ الأَقْصَى)[2]

بعض اوقات راویانِ حدیث اپنی ذاتی اغراض کے لیے بھی احادیث وضع کر لیا کرتے تھے۔ مثلاً ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ محمد ﷺ نے کتوں کو مارنے کا حکم دیا البتہ شکاری کتے یا مویشیوں کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے کی اجازت دی۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو پتا چلا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث میں کھیتی کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے کی اجازت کا اضافہ کرتے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ ابو ہریرہ کھیتی کاشت کیا کرتے تھے۔ ابن عمر کے یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ اولین راویانِ حدیث کے سلسلے میں غیر دیانت دارانہ اور خود غرضانہ محرکات سے آزادنہ تھے۔ وہ اپنی ذاتی اغراض کو حدیث کے طور پر پیش کر دیا کرتے تھے۔[3]

مستشرقین کا قول کہ صحابہ اکرام (رضی اللہ عنہم) نے خود احادیث گھڑیں

اے گیم (Alfred Guilaume 1888ء-1965ء) مشہور مستشرق حدیث نبوی ﷺ کے بارے زباں درازی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ حدیث کا اکثر ذخیرہ محمد ﷺ کے اڑھائی سو سال بعد کی پیداوار ہے۔ حدیث سازی میں اُموی حکمرانوں کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ امام زہری نے کہا کہ ان شہزادوں نے ہمیں احادیث لکھنے پر مجبور کیا۔ زہری نے عبد الملک کے کہنے پر مسجدِ اقصیٰ کی فضیلت

---

(1):۔ ضیاء النبی ﷺ: ج، ہفتم، صفحہ: 23: مطبوعہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

(2):۔ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری،، صفحہ 365، رقم الحدیث: ۱۱۸۹ طبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، م: علامہ بدر الدین عینی

(3):۔ فکرِ استشراق اور عالمِ اسلام میں اس کا اثر و نفوذ، صفحہ، 131/132/133: م: ڈاکٹر محمد شہباز منج

سے متعلق حدیث گھڑی۔ امیر معاویہ نے علویوں کی فضیلت سے متعلق احادیث کو چھپانے کا حکم دیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ذاتی غرض سے کتے کی اجازت سے متعلق حدیث گھڑی۔ عباسیوں کے مفادات کے تحت بھی احادیث وضع کی گئیں۔[1]

مسلمانوں نے اپنے مفاد کے لئے احادیث گھڑیں، مستشرقین کا اعتراض

انسائیکلو پیڈیا امریکا کے مقالہ نگار کا کہنا ہے کہ محمد ﷺ کے وصال کے بعد مسلمانوں نے مختلف مقاصد و مفادات کے تحت احادیث وضع کیں: لوگ اپنے قول و عمل کے لیے پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے ساتھوں کے قول و عمل کے نظائر کی تلاش میں رہتے؛ جدید پیش آمدہ مسائل کا حل قرآن میں نہ ملتا، تو احادیث وضع کر لی جاتیں؛ حکمرانوں نے علماء کی وضعی حدیثوں کو مستند بنانے پر اُکسایا؛ نیکی اور اخلاق کی تعلیم کے لیے جعلی احادیث کا سہارہ لیا گیا۔ مقالہ نگار لکھتا ہے:

When, after Mohammad's death, the Muslims faced problems that the Koran alone did not solve, they naturally sought guidance in what people before them had done. The strongest argument a man could advance to prove his views was to show that Mohammad and his companions had acted in a similar way or said something to the same effect......it was not always possible to find an event a particular difficulty. When this happened, the Muslims quickly began to fabricate traditions to support the causes in which they were interested....... Cases are known of ruler's compelling lamed mon to vouch for the authenticity of fabricated traditions, that supported the ruler in a political fight. More often fabrication was advanced for more pious reasons.

محمد ﷺ کی وفات کے بعد جب مسلمانوں کو ایسے مسائل کا سامنا ہوا جو صرف قرآن سے حل نہ ہوتے تھے، تو لوگوں نے فطری طور پر اپنے اسلاف کے عمل سے رہنمائی چاہی۔ آدمی اپنے نظریات کو ثابت کرنے کے لیے جو مضبوط ترین دلیل دے سکتا تھا، وہ یہ تھی کہ محمد ﷺ اور ان کے اصحاب نے ایسا ہی کیا تھا، یا اسی نوعیت کی بات کہی تھی۔ لیکن پیش آمدہ مسئلے کے لئے ہمیشہ اسلاف کے قول و عمل سے نظیر ملنا ناممکن تھا، چنانچہ مسلمانوں نے اپنے اپنے مفادات کی مؤید احادیث گھڑنا شروع کر دیں.... حکمرانوں کے سیاسی معرکہ آرائی میں معاونت کی غرض سے علماء کو جعلی احادیث کو مستند بنانے کو واقعات معلوم و معروف ہیں۔ نیک مقاصد کے لئے بھی کثرت سے احادیث وضع کی گئیں۔[2]

اسناد کے متصل السند ہونے پر اعتراض

مشہور مستشرق شاخت نے اسناد کے متصل السند ہونے پر اعتراض کیا وہ کہتا ہے کہ: کتبِ احادیث میں جو متصل السند اسناد موجود ہیں، ان کے متعلق کہتا ہے کہ یہ محض دروغ اور بے حیثیت ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ مکمل احادیث نبوی کا ذخیرہ دوسری یا

---

(1):۔ فکرِ استشراق، اور عالمِ اسلام میں اس کا اثر و نفوذ، صفحہ، 133 / 134: م: ڈاکٹر محمد شہباز منج

(2):۔ فکرِ استشراق، اور عالمِ اسلام میں اس کا اثر و نفوذ، صفحہ، 133 / 134: م: ڈاکٹر محمد شہباز منج

تیسری صدی ہجری میں پایا جاتا ہے تو یہ تصور کیونکر ممکن ہے کہ اسناد کا وجود متن کے وجود سے پہلے ہو۔ شاخت کہتا ہے کہ احادیث کی اسناد کا بڑا حصہ ناقص ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اسانید تیسری صدی ہجری کے نصف ثانی میں مکمل شکل میں مرتب ہوئیں، ان اسانید سے زیادہ اعتنا نہیں کیا گیا بلکہ جو طبقہ اپنی رایوں کو متقدمین سے منسوب کرنا چاہتا وہ اس میں سے چند شخصیتوں کا انتخاب کر لیتا ہے اور پھر ان کو اسناد میں شامل کر دیتا۔

اس مذکورہ عبارت میں راویاں کو ہم تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

1) اول یہ کہ احادیثِ نبوی ﷺ کے خلاف اصحاب فقہ کی جانب سے سخت مذاحمت ہوئی۔

2) فقہی حدیثیں وضع ہوئیں۔ اور یہ اس طور پر کہ ذاتی یا مسلکی رایوں کو متقدمین بلکہ خود رسول اللہ ﷺ سے منسوب کر دیا گیا۔

3) احادیث کا یہ سلسلۂ اسانید، وضع کردہ اور ناقص ہے۔[1]

اسناد کے متصل السند ہونے پر اعتراض کا جائزہ

شاخت کے ان تینوں بنیادی اعتراضات کے جواب دینے سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ان کی ایک اصولی غلطی ان کی ساری بحث کو غلط بناتی ہے مذکورہ بالا باتوں کا ربط ایک دوسرے سے ہے اس لئے جب وہ ایک جگہ غلط نظریہ کو راہ دیتے ہیں اور پھر وہ غلطی پر غلطی کا ارتکاب کرتے جاتے ہیں اور جب وہ اپنے مطلوبہ نتائج تک نہیں پہنچتے تو پھر وہ اپنی ہی دلیلوں سے صرفِ نظر کر کے اپنی مرضی اور منشا کے مطابق نتائج اخذ کرتے ہیں ان کو یہ بھی پرواہ نہیں رہتی کہ نقلِ روایت میں خود ان کی تکذیب ہو سکتی ہے، اس کے علاوہ متضاد اور متناقض مثالوں کو ایک ہی جگہ پیش کر کے وہ عجیب وغریب نتائج کو مستنبط کرتے ہیں۔[2]

المختصر یہ کہ یہ ان سارے عوامل کا ظہور تیس سال کے عرصے میں ہوا، اور وہ پایۂ تکمیل کو بھی پہنچ گئے، کیا کوئی بھی عقل یہ باور کر سکتی ہے کہ اس قدر وسیع علمی و نظری انقلاب کے لئے محض تیس سال کا عرصہ کافی ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ دعویٰ خلافِ عقل ہے، شاخت کا یہ نتیجہ مطالعہ ایک خیالِ خام سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا، تحریک اور مخالفِ تحریک کا یہ افسانہ دراصل مغربی ذہن اور ماحول کی اپج ہے اور تاریخی حقیقتوں کو مسخ کرنے کے علاوہ یہ اسلامی معاشرہ کی روح کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔[3]

شاخت کی محدثین اور فقہاء کے درمیان آویزش

محدثین اور حدیث نبوی ﷺ کے خلاف فقہاء کے مختلف طبقات کی جانب سے حملہ اور مقابلہ کی داستان میں پروفیسر شاخت نے مدینہ، عراق اور شام کے فقہاء کی مثالوں کو پیش کیا ہے جو بقولِ خود ان کے دعویٰ کو مدلل اور مضبوط کرتی ہیں، البتہ شاخت کی بحثوں میں جو بات سب سے نمایاں ہے وہ ان کا متناقض الرائے ہونا ہے، ان کی تحریر پر نظر رکھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ پہلے سے اپنی طے شدہ منزل تک پہنچنے کے لئے ایک نظریہ قائم کرتے ہیں اس صورت میں یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ان کا یہ نظریہ گہری تحقیق اور سنجیدہ بحث کے نتیجہ مین قائم ہوا ہو، اسی لئے بحث کے دوران وہ متناقض باتیں پیش کرتے جاتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ باہم متناقض

(1):۔ اسلام اور مستشرقین، جلد،6، صفحہ:82، دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، سید صباح الدین عبد الرحمان

(2):۔ اسلام اور مستشرقین، جلد،6، صفحہ:82، دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، سید صباح الدین عبد الرحمان

(3):۔ اسلام اور مستشرقین، جلد،6، صفحہ:84، دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، سید صباح الدین عبد الرحمان

اور متضاد دلیلوں میں وہ ربط اور توافق کیسے پیدا کریں گے، مثلاً ان کی تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل کلام کے ساتھ ساتھ فقہاء کے تمام طبقات نے حدیث کی سختی سے مخالفت کی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ حدیث ان کی فقہ میں زیادہ مؤثر اور دخیل عنصر نہ بن سکے اس کے بعد وہ ایک جگہ جب فقہی احادیث کے وضع ہونے پر گفتگو کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کسی زمانہ میں وضع حدیث کو ثابت کرنے کا بہترین طریقہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اس زمانہ میں فقہاء نے اس حدیث کا اپنی بحث میں ذکر کیا ہے یا نہیں، اگر فقہاء کی بحثوں میں اس حدیث کا ذکر نہیں ہے تو یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اس حدیث کو بعد کے زمانہ میں وضع کیا گیا۔(1)

شناخت کی محدثین اور فقہاء کے درمیان آویزش پر بحث

سر دست ہم اپنی اس بحث میں نہیں پڑتے کہ یہ یقینی طور پر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ فلاں حدیث سے فقہاء نے اپنی علمی بحثوں میں استفادہ نہیں کیا؟ اور یہ کہ کسی شخص کے لئے ضروری اور ممکن ہے کہ وہ اپنی بحث کے دوران سارے دلائل پیش کرے؟ البتہ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم شناخت کی اس متناقض اور متضاد رائے کو کیونکر تسلیم کریں، جب شناخت کے دعویٰ کے مطابق فقہاء شدت سے احادیث نبوی ﷺ کے مخالف تھے تو پھر ان سے یہ امید کیونکر کی جائے کہ وہ باوجود مخالفت کے احادیث کو اپنی بحث و گفتگو میں شامل کریں گے، اور اگر حدیثوں کا ذکر واقعی ان کی بحثوں میں ناگزیر تھا تو پھر احادیث سے ان کی دشمنی کا دعویٰ کیا محض افسانہ ثابت نہیں ہوتا ہے، یہ شناخت کا مجموعہ اضداد ہونے کی ایک مثال ہے۔(2)

(1):۔ اسلام اور مستشرقین، جلد،6، صفحہ:84، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، سید صباح الدین عبدالرحمان

(2):۔ اسلام اور مستشرقین، جلد،6، صفحہ:85، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، سید صباح الدین عبدالرحمان

بابِ سوم: سیرت و سنت پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ

فصلِ اوّل: سیرتِ نبی ﷺ پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ

فصلِ دوم: سنتِ نبی ﷺ پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ

فصلِ اوّل: سیرتِ نبی ﷺ پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ

سیرتِ رسول (ﷺ) اور مستشرقین

بحیثیت مسلمان ایک انسان پر اللہ عزوجل پر ایمان لانے اور اس کی وحدانیت کا اقرار کرنے کے بعد سب سے اہم فریضہ یہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے رسول ﷺ کی محبت کو اپنی رَگ رَگ میں بسائے، کیونکہ:

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نہ مکمل ہے

اور آنحضور ﷺ کی سیرت طیبہ وہ بحر ناپید کنار ہے، جس کی شناوری حیطۂ بُشری سے خارج ہے، استطاعتِ انسانی کی حد تک مدح و توصیف کے بعد بھی یہی کہنا پڑے گا کہ:

لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ایک مسلمان کی سب سے بڑی اور روحانی طاقت عشقِ رسول ﷺ ہے، جس کے دل میں جتنی کارفرمائی ہوگی اتنی ہی زیادہ اس کے ایمان میں پختگی، ایقان میں مضبوطی اور طاقت الٰہی میں تیزی ہوگی، گویا عشق رسول ﷺ ہی جان ایمان ہے، اسی پر ایمان کی بلند عمارت ایستادہ ہے، یہی وہ جوہر ایمان ہے جس سے ایمان میں جِلا اور روشنی پیدا ہوتی ہے، یہی وہ شمع تاباں ہے جس کی تپش عاشقانِ برحق کو راہِ حق میں سب کچھ لٹا دینے پر مجبور کر دیتی ہے، یہی وہ سرمدی نعمت ہے جس کی حصول یابی کا جذبہ کتنوں کو شہید، کتنوں کو صدیق اور کتنوں کو ولی اور قطب بنا دیتا ہے۔

علامہ کمال احمد علیمی نظامی تحرک استشراق میں رقمطراز ہیں کہ: مستشرقین چونکہ اس حقیقت سے واقف تھے کہ ایک مسلمان کے ایمان کو کمزور کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ اس کہ دل میں موجود محبتِ رسول ﷺ کے اس چراغ کو بجھا دیا جائے جو اس کو ظلمتوں سے لڑنے کا حوصلہ، باطل قوتوں سے ٹکرانے کا جزبہ اور کفر و الحاد کی آندھیوں کے خلاف صف آرائی کی اُمگ عطا کرتا ہے، اس کے لئے انہوں نے رحمتِ عالم ﷺ کی عظمت و رفعت کو نشانہ بنانہ شروع کر دیا، آپ کے کردار و سیرت پر کیچڑ اُچھالنے کا آغاز کیا، آپ کے تعلق سے نہ جانے کیا کیا خرافات گڑھے، آپ کے خاندان کی متبذل، آپ کو مفلس ولاچار، بت پرست اور مصروع تک ثابت کرنے کی کوشش کی۔ [1]

چناچہ علامہ پیر کرم شاہ الازہری صاحب لکھتے ہیں کہ: مستشرقین نے حضور ﷺ کے دامن کو داغدار کرنے کے لئے مختلف انداز اختیار کئے۔ انہوں نے آپ (ﷺ) کو اپنے ڈراموں، فلموں اور تصویری کہانیوں کے ناپسندیدہ کردار کی شکل میں پیش کیا۔ کبھی یہ ظاہر کیا کہ آپ (ﷺ) کے جسدِ انور کو زمین و آسمان کے درمیان معلق ہے۔ کبھی آپ کو دشمنِ مسیح علیہ السلام بنا کر پیش کیا۔ کبھی آپ (ﷺ) کو ایک بت کی شکل میں پیش کیا۔ کبھی انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ حضور ﷺ نے ایک کبوتر پال رکھا تھا، جو آپ (ﷺ) کے کانوں پر آکر بیٹھتا اور آپ (ﷺ) لوگوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے کہ یہ فرشتہ ہے جو وحی لے کر آیا ہے۔ [2]

(1):۔ تحریکِ استشراق: 192، متبوعہ الغنی پبلشرز، م: کمال احمد علیمی نظامی،

(2):۔ ضیاء النبی ﷺ: ج، ہفتم، صفحہ: 153/154: مطبوعہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے متعلق مستشرقین کے نظریات

مستشرقین نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے متعلق جو کچھ ہرزہ سرائی کی ہے، ان میں سے چند ایک کا ذکر مذکور ہے:

مستشرق مونپور کولی

مستشرق مونپور کولی اپنی ایک کتاب ''الحث عن الدین الحق''میں لکھتے ہیں:

''مشرق میں ایک نئے دشمنِ اسلام کا ظہور ہوا جس کی بنیاد اور تعمیر طاقت اور شدید تعصب پر قائم ہے، محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے پیروؤں کے ہاتھوں میں تلوار دے کر اخلاق کے مقدس ترین ضابطے پامال کر ڈالے، اور اپنے ساتھوں کو فسق وفجور اور لوٹ کھسوٹ کی اجازت دے دی۔ لڑائیوں میں قتل ہو جانے والوں سے وعدہ کیا کہ وہ جنت کی دائمی لذتوں سے لطف اندوز ہوں گے، چنانچہ کچھ ہی عرصہ میں ان کے متبعین نے ایشیائے کوچک، افریقہ اور اسپین کو اپنا شکار بنالیا۔ ان کی وجہ سے اٹلی کو خطرہ درپیش ہوا۔ آدھا فرانس بھی ان لوگوں کے ہاتھوں برباد ہو گیا، اور تہذیب وتمدن پر سخت افتاد آئی......یہ عیسائیت تھی جس نے اسلام کی فاتحانہ پیش قدمی پر روک لگائی، اور تقریباً دوسو برس تک صلیبی جنگیں ہوتی رہیں۔ جن کے نتیجہ میں یورپ میں اصلحے عام ہوئے، تب عیسائیت کو نجات ملی، اور صلیبی ہلالی پرچم سرنگوں ہوا۔ اور انجیل نے قرآن اور اس کے معمولی اور (نعوذ باللہ) گھٹیا قوانین اخلاق پر فتح حاصل کی۔''[1]

مستشرق مسیو کوین

ایک اور مستشرق مسیو کوین اپنی کتاب میتھالوجی آف اسلام میں لکھتے ہیں کہ:

''دینِ محمدی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جذام کی بیماری کی طرح لوگوں میں پھیلا۔ اور اس نے ان کی دھجیاں بکھیر دیں۔ یہی نہیں، بلکہ وہ ایک خوف ناک مرض اور ایسا پاگل پن ہے، جو انسان کو انتہائی کمزوری اور سستی پر آمادہ کرتا ہے، اور اگر بیدار بھی کرتا ہے تو صرف خون ریزی، شراب خوری اور دوسری برائیوں کے لیے، مکہ میں محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی قبر بجلی کا ایسا ستون ہے جو مسلمانوں کے سروں میں جنونی کیفیت پیدا کر دیتا ہے، اور انہیں ہذیان، ہسٹریا، عقل فراموشی اور اللہ اللہ کے الفاظ کی رٹ لگانے پر مجبور کر دیتا ہے، اور جو چیزیں اصل فطرت کو مرغوب ہیں ان سے نفرت کا خوگر بناتا ہے۔ مثلاً لحم خنزیر، شراب اور موسیقی وغیرہ اور ان میں سنگ دلی اور فسق وفجور کے جذبات وخیالات کی پرورش کرتا ہے۔''[2]

مستشرق جولیان

مستشرق جولیان اپنی کتاب تاریخ فرانس میں لکھتے ہیں کہ:''

''محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مسلمانوں کے مذہب کے بانی ہیں انہوں نے اپنے متبعین کو حکم دیا کہ وہ دنیا کو زیر کریں، اور سارے مذاہب کو تبدیل کر کے اپنے مذہب کا بول بالا کریں، ان بت پرستوں (مسلمانوں) اور عیسائیوں میں کتنا بڑا فرق ہے، عربوں نے اپنے مذہب کو طاقت سے لوگوں پر مسلط کیا، اور لوگوں سے کہا کہ اسلام لاؤ، ورنہ موت کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جب کہ مسیح کے ماننے والوں نے اپنی نیکی

---

(1):۔ سیرت النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور مستشرقین، معارف اعظم گڑھ 2014ء-1916ء کے منتخب مضامین، صفحہ:5 /6 ترتیب: حافظ عبد الغفار، طبع: دار النواد، لاہور

(2):۔ سیرت النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور مستشرقین، معارف اعظم گڑھ 2014ء-1916ء کے منتخب مضامین، صفحہ:6 ترتیب: حافظ عبد الغفار، طبع: دار النوادر، لاہور

اور حسنِ سلوک سے لوگوں کو راحت بخشی، اگر یہ عرب ہم پر فتح یاب ہو جاتے، تو خدا جانے دنیا کی کیا حالت ہوتی۔ آج ہم بھی الجزائری اور مراکشی مسلمانوں جیسے ہوتے۔ "[1]

ڈاکٹر گلوور

ڈاکٹر گلوور نے اپنی کتاب" تقدم التبشیر العالمی "(عالمی مشنریوں کی ترقی) میں، جو 1960ء میں نیویارک سے شائع ہوئی ہے، ان خیالات کا اظہار کیا ہے:

"محمد (ﷺ) کی تلوار اور قرآن، یہ دونوں تہذیب، حریت اور حق کے سب سے بڑے دشمن ہیں اور دنیا پر اب تک جو تباہی و بربادی منڈلا رہی ہے، اس کے سب سے بڑے باعث یہی ہیں،...... جس طرح قرآن، حقائق و خرافات اور قوانین اور دیو ملائی تصورات کا عجیب و غریب مجموعہ ہے، اسی طرح تاریخی غلطیوں اور باطل خیالات کی بھی اس میں آمیزش ہے، اور اس سے بھی بڑھ کر یہ وہ نہایت پیچیدہ ہے، اس کی کسی خاص تفسیر کے بغیر اسے کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا، مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ ان کا معبود وہ اللہ ہے جو تنہا ہے، بے نیاز ہے، اس کا نہ کوئی باپ ہے نہ بیٹا گویا اللہ (نعوذ باللہ) ایسا ظالم و جابر بادشاہ ہے جس کو اپنی مخلوق و رعایا سے کوئی تعلق نہیں، حالانکہ اسلام ان دونوں کے ربط و تعلق کا ذکر کرتا ہے...... محمد (ﷺ) ایک آمر مطلق تھے۔ ان کا خیال تھا کہ قوم پر بادشاہ کا تو یہ حق ہے کہ وہ اس کی مرضی پر چلے، مگر بادشاہ جو چاہے من مانی کرے، خود محمد (ﷺ) کی فطرت میں بھی یہ بات داخل تھی، چنانچہ جو انکی مرضی پر نہ چلتا وہ اسے قابل گردن زدنی سمجھتے تھے۔ ان کا عربی لشکر، تباہی و بربادی اور غلبہ و تسلط کا پیاسا تھا، جس کو اس کے پیغمبر نے ہدایت بھی یہی دی تھی کہ جو ان کی اتباع کو نامنظور کرے اور ان کے راستے سے دور ہو جائے، اسے قتل کر دیں (نعوذ باللہ)۔"[2]

مستشرق سفاری

مستشرق سفاری نے 1752ء میں قرآنِ مجید کا ترجمہ کیا تھا۔ ان کا خیال ہے کہ:

محمد (ﷺ) نے اقتدارِ الٰہی کا اسی لیے سہارہ لیا، تاکہ لوگ اس عقیدہ کو (آسانی سے) قبول کر لیں، پھر انہوں نے خود پر بحیثیت رسول اللہ کے ایمان لانے کا مطالبہ کیا، حالانکہ یہ اعتقاد محض ایک فریب تھا، جس کو عقلی ضرورت نے جنم دیا تھا........۔"[3]

نبی پاک ﷺ کی ذاتِ مبارکہ پر اعتراض

علامہ کمال احمد علیمی نظامی نے تحریکِ استشراق میں مستشرقین کے چند نظریات کو نقل کیا ہے جن میں مستشرقین نے نبی پاک ﷺ کی سیرت و کردار کو داغ دار کرنے کی کوشش کی ہے:

(1):۔ سیرت النبی ﷺ اور مستشرقین، معارف اعظم گڑھ 2014ء-1916ء کے منتخب مضامین، صفحہ: 6/7، ترتیب: حافظ عبد الغفار، طبع: دار النوادر، لاہور

(2):۔ سیرت النبی ﷺ اور مستشرقین، معارف اعظم گڑھ 2014ء-1916ء کے منتخب مضامین، صفحہ: 7، ترتیب: حافظ عبد الغفار، طبع: دار النوادر، لاہور

(3):۔ سیرت النبی ﷺ اور مستشرقین، معارف اعظم گڑھ 2014ء-1916ء کے منتخب مضامین، صفحہ: 7/8، ترتیب: حافظ عبد الغفار، طبع: دار النوادر، لاہور

1) ڈانٹے (Dante) حضور ﷺ کو جہنم کے اٹھائیسویں درجے میں دکھاتا ہے ان کا جسم سر سے کمر تک دولخت ہے، وہ اپنے ہاتھوں سے اپنا سینہ چاک کرتے نظر آئے ہیں، وجہ یہ ہے کہ وہ ان روحوں کے سرخیل ہیں، جنہوں نے مذہب میں فرقہ بندی کرایا تھا۔

2) کچھ مواقع ایسے آتے ہیں جب بے قراری، وجد یا کشف کی شکل اختیار کرلیتی ہے ہم ان کی تفصیلات سے بہت کم آگاہ ہیں، بعض عیسائی مصنفین نے ان کیفیات کو مِرگی کے دورے قرار دیا ہے، اور ان کا تعلق ان علامات سے جوڑا ہے جو آپ کے بچپن میں نظر آتی ہیں، کہا جاتا ہے کہ آپ کی زندگی کے آخری حصے میں بھی نزولِ وحی سے پہلے آپ پر اس قسم کی غشی اور بیداری کے سپنے کی کیفیت طاری ہوتی تھی۔

3) وہ کھلے عام اپنی رائے کا دفاع کرنے کی ہمت سے عاری ہیں، جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ وہ دھوکہ دینے اور حیلے بنانے سے مفاد حاصل کرنے کا رجحان رکھتے ہیں۔

4) انسان یہ دیکھ کر حیران ہوتا ہے کہ نیچے لکھی ہوئی آیت جیسی آیات قرآن میں محمد (ﷺ) کی حاسدانہ فطرت کس طرح عیاں ہوتی ہے۔

5) اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس قسم کی شخصیت نِت نئے لوگوں کے دل جیتنے کے شوق میں پرانی دوستیوں اور وفاداریوں کو نظر انداز کرنے کا رجحان رکھتی ہے۔

6) محمد (ﷺ) کی عمر اب ساٹھ سال کے قریب تھی، لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ عمر میں (اضافے کے ساتھ ساتھ جنس کے معاملہ میں ان کی کمزوری میں اضافہ ہو رہا تھا اور ان کے بڑھتے ہوئے حرم کی کشش ان کو اپنی حدود سے تجاوز سے باز رکھنے کے لئے کافی نہ تھیں۔

7) پیغمبر نے اپنی اور اپنے تمام صحابہ کی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لئے جو طریقہ اپنایا وہ ان تجارتی کاروانوں کو لوٹنے کا تھا جو شام جاتے ہوئے یا شام سے واپس آتے ہوئے مدینہ کے پاس سے گزرتے تھے۔ (1)

مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ

علامہ کمال احمد علیمی نظامی نے تحریکِ استشراق میں مستشرقین کے مذکورہ اعتراضات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ کے متعلق مستشرقین کے دلوں میں موجود گھناؤان کے خیالات اور نظریات کی عکاسی کے لئے کافی ہیں، اس اقتباسات کی روشنی میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ رحمتِ عالم ﷺ کے تعلق سے مستشرقین نے کیا کیا زہر افشانی کی ہے اور کس طرح سے انہوں نے اس عظیم ذات کی محبت کو مؤمنین کے دلوں سے نکالنے کی سعی لاحاصل کی ہے، لیکن شاید مستشرقین کو نہیں معلوم ہے کہ جن کاغذی دلائل اور تاریخی حوالوں سے انہوں نے جھوٹ اور تہمت زنی کے افسانے تراشے ہیں، ان سے کہیں زیادہ مضبوط اور مستحکم دلائل آپ ﷺ کی عظمت ورفعت کو ثابت کرنے کے لئے موجود ہیں، بھلا بتایئے کہ وہ شفاف سیرت و کردار جس پر ابو جہل اور ابو لہب جیسے دشمنانِ اسلام کو انگشت نمائی کا موقع نہ مل سکا، اس پر آج کے مستشرقین کیچڑ اچھال کر کیا کر سکتے ہیں؟ کیا یہ تاریخی

(1):۔ تحریکِ استشراق:192/193/194، متبوعہ الغنی پبلشرز، م: کمال احمد علیمی نظامی،

حقیقت نہیں ہے کہ اسی مقدس ذات کی سیرت کی ضوبار کرنوں نے صدیقِ اکبر اور فاروقِ اعظم جیسے دانشوروں کے نہاں خانوں میں لافانی انوار و تجلیات بھر دیئے تھے؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اسی مقدس ہستی کے آئینہ حیات کو دیکھ کر نا جانے کتنوں نے اپنی بہکی زندگی کو جادئہ مستقیم پر گامزن کر لیا تھا، کیا یہ امر واقعی نہیں کہ ہرقل کے دربار میں ابو سفیان جیسے مخالفِ رسول ﷺ کو ایک بھی ایسا لفظ یا ایک بھی ایسا عیب نہ مل سکا تھا کہ جس کو آپ ﷺ کے اوپر چسپاں کرتا؟ اگر ہاں اور یقیناً ہاں! تو پھر چند صدیوں پیشتر کی پیداوار مستشرقین کی اس ذریت کو کیا ہو گیا ہے جو اس عظیم ذات کو طرح طرح کے الزامات کا نشانہ بنا رہی ہے؟ اور آپ ﷺ کی سیرت و شخصیت کو مجروح کر رہی ہے؟[1]

اور علامہ پیر کرم شاہ الازہری صاحب لکھتے ہیں کہ: مستشرقین نے حضور ﷺ کی سیرت پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کی مختلف نوعیتیں ہیں۔ عربوں کے ہاں خاندانی وجاہت ایک بہت بڑا انسانی کمال شمار ہوتا تھا۔ مستشرقین حضور ﷺ کی خاندانی وجاہت کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جدید مادیت زدہ دَور میں دولت کو انسانی عظمت کی کسوٹی سمجھا جاتا ہے، مستشرقین اس کسوٹی کو حضور ﷺ پر لاگو کر کے آپ کا مقام گرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ بیسویں صدی عیسوی کے مادی اقتدار کو ساتویں صدی عیسوی کے عربوں پر منطبق کر کے مکہ کی مارکیٹ میں ایسے طاقت ورِاجارہ دَاروں کا سُراغ لگانے کی کوشش کرتے ہیں جو کمزور قبائل کو تجارت کے میدان میں سر اٹھانے کی مہلت نہ دیتے تھے۔ حضور ﷺ کو دھوکے باز ثابت کرنے کے لیے وہ پورا زور لگاتے ہیں تاکہ یہ ثابت کریں کہ حضور ﷺ نے یہودیت اور عیسائیت سے تعلیمات اخذ کیں، ان کی بنیاد پر ایک دین وضع کیا اور دعویٰ کیا کہ یہ دین الہامی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ وہ حضور ﷺ کے اخلاق پر حملہ کرتے ہیں آپ کو شہوت پرست اور ظالم قرار دیتے ہیں۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آپ کسی اصول کے پابند نہ تھے بلکہ جب ضرورت پڑتی تھی، اصولوں کو توڑ دیتے تھے اور دعویٰ کرتے تھے کہ انہیں وحی کے ذریعے اس غلط اصول کو توڑنے کا حکم ملا ہے۔

مستشرقین اپنے دعووں کو ثابت کرنے کے لیے مسلمانوں کی مصدقہ تاریخ کا انکار کرتے ہیں، قرآنی آیات کی من مانی تشریح کرتے ہیں اور ہر زعمِ باطل کو ثابت کرنے کے لیے اپنے تخیل کے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہیں۔[2]

علامہ کمال احمد علیمی نظامی نے تحریکِ استشراق میں مذکورہ اقتباس سے سیرتِ نبی ﷺ پر مستشرقین کے اعتراضات کی تین نوعیتیں بیان کی ہیں:

1) رسول اللہ ﷺ کے خاندان وقار اور نسبی عظمت پر حملہ کرتے ہیں۔
2) آپ ﷺ کی سماجی حیثیت کو گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔
3) رسول پاک ﷺ کے اخلاق کریمانہ پر اعتراضات کا نشتر برساتے ہیں۔[3]

---

(1):۔ تحریکِ استشراق:194، متبوعہ الغنی پبلشرز، م: کمال احمد علیمی نظامی،
(2):۔ ضیاء النبی ﷺ: ج، ہفتم، صفحہ 159/160: مطبوعہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،
(3):۔ تحریکِ استشراق:195، متبوعہ الغنی پبلشرز، م: کمال احمد علیمی نظامی،

علامہ ڈاکٹر حافظ محمد زبیر نے اپنی کتاب "اسلام اور مستشرقین" میں سیرت مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں مستشرقین کے نظریات کو دو ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

1) پہلے دور میں انہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے قرونِ وسطیٰ کے مغربی اسکالرز کے مؤقف کو بیان کیا ہے،

2) اور دوسرے دور میں پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے جدید دور کے مغربی اسکالرز کے مؤقف کو بیان کیا ہے،

پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے قرونِ وسطیٰ کے مغربی اسکالرز کا مؤقف

علامہ ڈاکٹر حافظ محمد زبیر لکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے بارے میں مستشرقین کے پہلے دور کا رویہ ایسا ہے کہ معاصر مغرب کو بھی اس پر افسوس ہے۔ معروف مستشرق ڈاکٹر فلپ کے ہٹی Philip Khuri Hitti(1886-1978ء)نے اپنی کتاب"Islam and the West" مطبوعہ1962ء میں'Islam in Western Literature' کے نام سے باقاعدہ ایک باب باندھ کر اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے بارے میں قرونِ وسطیٰ کے مستشرقین کے بے ہودہ الزامات اور بے سروپا کہانیاں نقل کی ہیں۔ اس باب کا ترجمہ مولانا وحید الدین خان نے اپنی کتاب "شاتم رسول کا مسئلہ" میں نقل کیا ہے۔

یوحنا دمشقی (متوفی 749ء) وہ پہلا عیسائی عالم ہے کہ جس نے اسلام پر یہ طعن کیا کہ اسلام بت پرستی کی تعلیم دیتا ہے اور اس میں ایک جھوٹے رسول کی پرستش کی جاتی ہے۔ اس کے بعد دانتے Dante Alighieri(متوفی 1321ء) نے اپنی مشہور نظم خدائی کامیڈی (Divine Comedy) میں پیغمبرِ اسلام ﷺ کو نوویں جہنم میں دکھایا ہے۔ قرطبہ کے ایک بشب ایولوگیس(Saint Eulogius of Cordoba) نے لکھا ہے کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کی وفات کے بعد ان کے جسم کو کھانے کے لیے(نعوذ باللہ) جنگلی کتے آئے اور یہی وجہ ہے کہ مسلمان کتوں کو ناپاک قرار دیتے ہیں۔ یہ افسانہ پہلے لاطینی زبان میں شائع ہوا اور بعد میں فرانس میں پہنچا تو ایک فرانسیسی شاعر نے اپنی ایک نظم یہ نقشہ کھینچا کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کی وفات کے بعد ان کے جسم کو جنگلی کتے اور سور دونوں کھانے آرہے ہیں۔[1] معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ!

اور لکھتے ہیں کہ: اسی طرح یہ کہانی بھی اہل مغرب میں صدیوں گردش کرتی رہی کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کا تابوت زمین اور آسمان کے مابین معلق ہے، کیونکہ انہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے۔ ایک اور افسانہ تو اس قدر معروف ہوا کہ انگریزی ادب میں شامل ہو گیا اور وہ یہ کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ نے ایک کبوتر کو تربیت دے رکھی تھی (جیسا کہ اوپر علامہ پیر کرم شاہ الازہری صاحب کا مقولہ بیان ہوا) جو ہر وقت آپ کے کندھے پر بیٹھا رہتا اور وقفے وقفے سے جب آپ کے کان میں پڑا ہوا دانہ چگنے کے لیے چونچ مارتا تو آپ فرماتے کہ روح القدس اس کے ذریعے مجھے الہام کر رہے ہیں۔ ولیم شیکسپیئر William Shakespeare(1564-1616ء) نے اپنے ایک کردار کی زبانی اس قصے کو نقل کیا ہے۔ ولیم شیکسپیئر سے بہت پہلے برطانوی شاعر جان لڈگیٹ John Ludgate(1370-1451ء) تو اس کبوتر کے رنگ سے بھی واقف تھا کہ اس کا رنگ دودھیا سفید تھا۔

نوٹ: یہ واضح رہے کہ عیسائیوں کے ہاں کبوتر روح القدس کی علامت ہے مگر اسلام میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(1):۔ اسلام اور مستشرقین، صفحہ:114/115، رحمۃ للعالمین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر،

معروف انگریز ادیب فرانسس بیکن Francis Bacon(1561-1626ء) نے پیغمبرِ اسلام کو عطائی (mountebank)قرار دیا تو سیور ڈوریر(Sieur du Ryer) نے فرانسیسی میں محمد (ﷺ) کا قرآن "The Alcoran of Mahomet" کے نام سے ترجمہ قرآن شائع کرکے اسے پیغمبرِ اسلام ﷺ کی ذاتی تصنیف قرار دیا۔[1]

پیغمبرِ اسلام ﷺ کے بارے جدید دور کے مغربی اسکالرز کا مؤقف

علامہ ڈاکٹر حافظ محمد زبیر جدید دور کے متعلق مغربی اسکالرز کا مؤقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: سیرتِ رسول ﷺ کے حوالے سے دوسرا دور کہ جسے مغرب، علمی اسلوب اور رویے (academic scholarship) کا نام دیتا ہے، بھی اپنے مقاصد کے اعتبار سے پہلے دور سے مختلف نہیں ہے۔ اس دور کے نامور مستشرقین کے نزدیک بھی پیغمبرِ اسلام ﷺ نہ تو اللہ کے بھیجے ہوئے سچے رسول ہیں اور نہ ہی قرآنِ مجید کوئی آسمانی کتاب ہے۔ ان میں سے بعد آپ کو مخلص گردانتے ہوئے وحی کے سلسلے کو خطائے حس (hallucination) قرار دیتے ہیں۔ ان کے بقول پیغمبرِ اسلام ﷺ نے غارِ حراء میں امرِ واقعی میں کس فرشتے یا جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام کو نہیں دیکھا تھا بلکہ مراقبوں (Meditation) کی کثرت کی وجہ سے آپ اس وہم میں مبتلا ہو گئے کہ آپ نے غارِ حراء میں کسی کو دیکھا ہے یا کسی نے آپ کو وہاں کچھ پڑھنے کو کہا ہے۔ جبکہ مستشرقین کی ایک جماعت آپ کو محض ایک سماجی مصلح (social reformer) قرار دیتے ہوئے آپ کی تعریف میں رطب اللسان رہتی ہے۔ یعنی وہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کو ایک بہترین انسان یا اچھا قومی لیڈر ماننے کو تو تیار ہیں لیکن رسول یا نبی نہیں۔ اس دور کے یہ سب مستشرقین الگ الگ راگ الاپنے کے باوجود اپنے مقصد میں یکسو ہیں اور وہ محمد ﷺ کی پیغمبرانہ حیثیت کا انکار کرنا ہے۔[2]

دورِ جدید کے معروف مستشرقین

دورِ جدید کے معروف مستشرقین میں سے چند ایک کے افکار کا جائزہ پیش کرتا ہوں:

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر "اسلام اور مستشرقین" میں دوسرے دور کے مستشرقین میں سے اسپرنگا، ولیم میور، صموئیل مارگولیتھ اور منٹگری واٹ، کے افکار کو ذکر کیا ہے۔

ایلائس سپرنگا (ALLOY'S SPRENGER)

ایلائس سپرنگا Aloys Sprenger (1813-1893ء) ایک آسٹرین عیسائی مستشرق تھا۔ سپرنگا نے 1851ء میں سیرت پر 'The life of Mohammad' کے نام سے کتاب شائع کی۔ اس کتاب میں سپرنگا کا کہنا ہے کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ تو ہم پرستی میں مبتلا تھے۔ وہ جنات پر یقین رکھتے تھے، فال نکالتے تھے اور جھاڑ پھونک کرتے تھے۔ اس کے الفاظ ہیں:

The prophet was not free from superstition: he believed in jinn. Omens and charms, and he had many superstitious habits. The jinn were, according to his opinion, of three kinds:

---

(1):۔ اسلام اور مستشرقین، صفحہ:115، رحمۃللعالمین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر،

(2):۔ اسلام اور مستشرقین، صفحہ:116، رحمۃللعالمین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر،

some have wings and fly: others are snakes and dogs: and those of the third move about from place-to-place link men. Again, some of them believed in him, and others did not.[1]

سپر نگا قرآن مجید کی آیت(وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى)[2] ترجمہ:(اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی) کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ اپنے دعوائے نبوت سے پہلے بتوں کی عبادت کرتے تھے:

Up to his was fortieth year Mohammad devoutly worshipped the gods of his fathers.

اور مزید اس کا کہنا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں پیغمبرِ اسلام ﷺ کے ذہن میں اپنے آباء واجداد کے دین بت پرستی کے بارے میں کچھ شکوک وشبہات اور اوہام نے جنم لیا تو مسلمانوں نے اسے وحی کا نزول قرار دے دیا:

When he was forty years of age the first doubts concerning idolatry arose in his mind. The true believers ascribe this crisis to a divine revelation.[3]

اور ڈاکٹر حافظ محمد زبیر اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: قرآن مجید کی اس آیتِ مبارکہ میں کوئی ایسی بات نقل نہیں ہوئی ہے کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ معاذاللہ! بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ اس کی ایک تفسیر جو اہل علم کی ایک جماعت نے کی ہے، یہ ہے کہ اے محمد ﷺ! آپ (ﷺ) کے رب نے آپ کو گمراہ لوگوں کے مابین پایا یعنی دورِ جاہلیت اور بت پرستی کے زمانے میں پایا اور ہدایت دی۔ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ (ﷺ) کے رب نے آپ کو تلاشِ حق میں سرگرداں پایا اور ہدایت عطا فرمائی۔ آپ (ﷺ) نبوت ملنے سے پہلے ملت ابراہیمی اور دینِ توحید پر تھے، اگرچہ دین ابراہیمی اپنی مکمل صورت میں محفوظ نہیں تھا اور نہ ہی شریعت اسلامیہ کا ابھی تک نزول ہوا تھا، پس آپ (ﷺ) نبوت سے پہلے تفصیلی ہدایت یعنی شریعت کی تلاش میں سرگرداں تھے اور اس کے لیے غارِ حرا میں قیام کے دوران دینِ ابراہیمی کی باقیات کے مطابق عبادت فرمایا کرتے تھے۔[4]

ولیم میور(WILLIAM MUIR)

ولیم میور William Muir(1819-1905ء) ایک اسکاٹش مستشرق ہے۔ڈاکٹر حافظ محمد زبیر لکھتے ہیں کہ: مستشرقین اس بات کو نہیں مانتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی مکہ آئے تھے اور انہوں نے یہاں حضرت ہاجرہ اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو آباد کیا تھا یا انہوں نے بیت اللہ تعمیر کیا تھا۔ ان کے بقول حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جس بیٹے کی قربانی پیش کی تھی وہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے۔ ولیم میور نے ان خیالات کو جدید اُسلوب میں پیش کیا۔ اس کے بقول پہلے مکہ میں

(1):۔اسلام اور مستشرقین، صفحہ:117،م:رحمۃللعالمین،ڈاکٹر حافظ محمد زبیر،

(2):۔(الضحیٰ 7:93)

(3):۔اسلام اور مستشرقین، صفحہ:118،م:رحمۃللعالمین،ڈاکٹر حافظ محمد زبیر،

(4):۔اسلام اور مستشرقین، صفحہ:119/118،م:رحمۃللعالمین،ڈاکٹر حافظ محمد زبیر،

بت پرست قبائل آ کر آباد ہوئے جبکہ حضرت اسمائیل علیہ السلام کے بعد ان کے بارہ بیٹے شمالی عرب میں یمن کے علاقے میں آباد ہوئے تھے۔ بعد ازاں یمن سے ان کا ایک قبیلہ مکہ میں آباد ہوا۔[1]

ڈیوڈ صموئیل مارگولیتھ (DAVID SAMUEL MARGOLIOUTH)

ڈیوڈ صموئیل مارگولیتھ David Samuel Margoliouth (1858-1940ء) 1858ء میں لندن میں پیدا ہوا۔ چرچ آف انگلینڈ (Church of England) کے ایک متحرک پادری کے طور پر شہرت حاصل کی۔ علامہ ڈاکٹر حافظ زبیر اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ماگولیتھ کا بھی اپنے پیش روؤں کی تقلید میں نقطہ نظر یہی ہے کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ نے اپنے خوابوں کو حقیقت سمجھ لیا تھا اور جو کچھ وہ خواب میں دیکھ رہے تھے، اسے اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا فرشتہ یا کتاب سمجھ رہے تھے۔ اور اس بنیاد پر اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کر رہے تھے اس نے اپنی کتاب میں:

"CHAPTER III FIRST DREAMS OF INSPIRATION: ENDING IN THE CONVICTION THAT HE WAS THE PROPHET OF HIS PEOPLE"

کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے۔ اس میں اللہ کے رسول ﷺ کے سفر معراج کو بھی ایک خواب قرار دیا۔ اور اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ نے عیسائیت کے بارے میں زیادہ تر معلومات سفر شام کے دوران وہاں سے حاصل کیں اور انہیں قرآن مجید میں شامل کیا۔[2]

ولیم منٹگری واٹ (WILLIAM MONTGOMERY)

ولیم منٹگری واٹ William Montgomer (1909-2006ء) یہ بھی ایک برطانوی مستشرق تھا۔ یہ اگرچہ اپنی تحریروں میں اللہ کے رسول ﷺ کی تعریف بھی کرتا ہے لیکن جب سوال آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کا ہوتا ہے تو وہاں ڈنڈی مارنے سے باز نہیں آتا۔ ایک جگہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ محمد ﷺ پیغمبر تھے یا نہیں، یہ کہتا ہے وہ تخلیقی نوعیت کے عظیم مفکر اور مصلح تھے جنہوں نے اپنی عرب قوم کو ایک ایسا نظامِ زندگی دیا جو اس سے بہت بہتر تھا جو ان کے پاس پیغمبر اسلام ﷺ کی آمد سے پہلے موجود تھا۔[3]

منٹگری واٹ وہ پہلا مصنف ہے جس نے سیرت پر مستشرقین کو یہ منہج دیا کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کی تعریفیں خوب کرو لیکن انہیں رسول مت مانو۔ آج سادہ لوح مسلمانوں کی ایک جماعت ایسے مستشرقین کے آپ ﷺ کے حق میں کلمہ خیر کو بڑے فخر سے بیان کرتی ہے، لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ مستشرقین ایک باقاعدہ سوچی سمجھی سکیم کے تحت محمد ﷺ کی تعریف بیان کر رہے ہوتے ہیں کہ اس ذریعے سے وہ مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کر کے ان کے دل میں آپ کی پیغمبری کے بارے میں شک کا بیج بو دیں۔ ان کا

(1):۔ اسلام اور مستشرقین، صفحہ: 125، رحمۃ للعالمین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر،

(2):۔ اسلام اور مستشرقین، صفحہ: 126، رحمۃ للعالمین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر،

(3):۔ اسلام اور مستشرقین، صفحہ: 127، رحمۃ للعالمین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر،

مقصد یہ بھی ہے کہ محمد ﷺ کو ایک عظیم مفکر، مصلح، اور محنتی انسان کے طور پر دنیا میں متعارف کرواؤ اور دنیا انہیں بس اتنا ہی سمجھے اور اس سے بڑھ کر ان کی پیغمبرانہ حیثیت کو کسی صورت قبول نہ کرے۔[1]

پیغمبرِ اسلام ﷺ پر مایوسی، دل شکستگی کا الزام

کیرن آرم سٹرانگ پیغمبرِ اسلام ﷺ پر الزام عائد کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

چند ابتدائی سورتیں نازل ہونے کے بعد تقریباً دو سال تک مکمل خاموشی چھائی رہی۔ آنحضرت ﷺ کے لئے یہ تنہائی اور کسمپری کا دور تھا اور کئی مسلمان مصنفوں نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں حضور ﷺ حد درجہ مایوس اور دل شکستہ رہے، آپ ﷺ کے ذہن میں بار بار یہ سوال اُٹھتا کہ آپ صحیح راستے سے بھٹک گئے ہیں؟ یا خدا نے آپ کو تنہا چھوڑ دیا ہے؟ یہ ایک ہولناک مصیبت تھی۔[2]

نبی پاک ﷺ کی اُمیت کے متعلق اعتراض

مصنفہ آپ ﷺ کی اُمیت پر شک کا اظہار کرتی ہیں۔ اپنی دوسری کتاب میں واقعہ قرطاس کا حوالہ دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ جب آپ ﷺ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے تو پھر قلم اور دوات منگوانے کی کیا ضرورت تھی؟ اگرچہ مصنفہ خود بھی کہتی ہیں کہ آپ ﷺ لکھنا نہیں، بلکہ لکھوانا چاہتے تھے۔ لکھتی ہیں:

"However improbable that may have been in a man who was for many years a merchant trader. "That would have required that he keep records of what was bought and sold, and though this was no great literary art, it did require the basic skills of literacy. But Muhammad's assumed illiteracy acted as a kind of guarantee that the Quran had been revealed, not invented, that it was truly the word of the divine, not the result of human authorship.[3]

"پڑھ لکھ نہ سکنے کی بات ایک ایسے شخص کے لئے قرینِ قیاس نظر نہیں آتی جو برسوں تک تاجر رہا ہو۔ اس کام کے لئے چیزوں کی خرید و فروخت کا ریکارڈ رکھنے کی ضرورت تھی۔ اور اگرچہ اس کے لئے کسی بڑے فن کی ضرورت نہ تھی لیکن خواندگی کی بنیادی باتوں کا جاننا ضروری تھا۔ لیکن محمد ﷺ کے بارے میں وضع کردہ ناخواندگی کا تصور اس بات کی ضمانت بن گیا کہ قرآن وحی کیا گیا ہے، ایجاد نہیں کیا گیا ہے، اور یہ کہ یہ بجا طور پر قولِ خدا ہے، انسانی کاوش کا نتیجہ نہیں۔"

---

(1):۔ اسلام اور مستشرقین، صفحہ:128، رحمۃللعالمین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر،

(2):۔ کیرن آرم اسٹرانگ کی کتاب (عالمِ اسلام پر مستشرقین کی فکری یلغار) کا تحقیقی جائزہ، م: محمد اسمعیل بدایونی، اسلامک ریسرچ سوسائٹی کراچی،

(3):۔ مجلہ: برجس: سیرتِ نبی ﷺ کے منتخب موضوعات (نبوت، وحی اور معجزات) سے متعلق لزے ہزلٹن کے آراء کا تحقیقی جائزہ، م: اسلام محمد جانس خان، جلد:6، شمارہ:1، سال:2019،

جائزہ

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر "اسلام اور مستشر قین" میں منٹگری واٹ کا اس دعوی کا ذکر کرتے ہیں کہ جس میں اس نے کہا ہے کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ پڑھنا لکھنا جانتے تھے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ایک تاجر تھے اور تجارت کے پیشِ نظر آپ کو حساب کتاب کے لئے پڑھنے لکھنے کی ضرورت تھی لہٰذا آپ ﷺ پڑھے لکھے تھے۔ قرآن مجید میں آپ کے لئے جو "امی" کا لفظ استعمال ہوا تو منٹگری واٹ کے نزدیک اس سے مراد غیر یہودی ہے نہ کہ ان پڑھ۔[1] اور ڈاکٹر حافظ محمد زبیر لکھتے ہیں کہ مستشر قین کی یہ بات درست نہیں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ (۴۸) [2]

ترجمہ: (اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے)

اگر اللہ کے رسول ﷺ پڑھنا لکھنا جانتے ہوتے تو مستشر قین مکہ اس آیت کو سنتے ہی شور مچا دیتے۔ اس آیت کی قرآن مجید میں موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے۔[3]

(1):۔ اسلام اور مستشر قین، صفحہ: 41، رحمۃللعالمین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر،

(2):۔ (العنکبوت 29:48)

(3):۔ اسلام اور مستشر قین، صفحہ: 41، م: رحمۃللعالمین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر،

فصلِ دوم: سنتِ نبی ﷺ پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ

سنتِ رسول ﷺ اور مستشرقین

سنتِ نبوی ﷺ کے بارے میں مستشرقین کا نظریہ

مستشرقین نے اسلام کے قصرِ رفیع کو منہدم کرنے کے لئے اسلامی ادب کا تفصیل سے مطالعہ کیا تھا۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ مسلمانوں کی قوت اور اسلام کی ابدیت کا راز کن چیزوں میں پوشیدہ ہے اور ان کی نظر اسلام کے ان پہلوؤں پر بھی تھی جن کو توڑ مروڑ کر وہ اسلام کے خلاف استعمال کر سکتے تھے۔ وہ حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے بھی آگاہ تھے:

ترکتُ فیکم أمْرَیْنِ لَن تَضِلُّوا ما تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا: کِتَابُ اللهِ وسُنَّةُ نَبِیِّهِ ﷺ (1)

"میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری سنتِ رسول اللہ ﷺ۔"

مستشرقین حضور ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں رکھتے تھے لیکن اپنے تجربات کی بنا پر وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ حضور ﷺ کی زبان پاک سے جو بات نکلتی ہے وہ حق ہوتی ہے اور اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ انہیں یقین تھا کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان ضرور سچ ثابت ہو گا کہ مسلمان جب تک قرآن وسنت کا ساتھ اپنے دامن کو وابستہ رکھیں گے اس وقت تک گمراہ نہیں ہوں گے۔ اسی لئے انہوں نے مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے والی ان دونوں چیزوں کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ قرآن وحدیث کے بعد انہوں نے اسلام کے خلاف جو محاذ کھولا وہ سنتِ نبوی ﷺ کا محاذ تھا۔

پیر کرم شاہ الازہری صاحب

علامہ پیر کرم شاہ الازہری صاحب لکھتے ہیں کہ: حضور ﷺ کی ذات ایک آئینہ ہے جس میں صدیقِ اکبر کو اپنا چہرہ نظر آتا ہے اور ابو جہل کو اس آئینے میں اپنے وجود کی کراہتیں عیاں نظر آتی ہیں۔ اس آئینے میں مستشرقین کو بھی اپنی ہی شکلیں نظر آتی ہیں اور انہوں نے حضور ﷺ کی سیرت کی عکاسی کرتے وقت دراصل اپنے اپنے کردار کا عکس پیش کیا ہے۔ یہی بات کارلائل کے قلم سے نکل گئی کہ حضور ﷺ کو ایک مذموم کردار کی شکل میں دیکھنا ہمارے اپنے کردار کی عکاسی کرتا ہے جس مستشرق کی باطن میں جتنا زیادہ خبث جمع تھا، اس نے اتنی ہی سفاکی سے حضور ﷺ کی شخصیت پر وار کئے ہیں، اور جن کے ضمیر میں زندگی کی کوئی رمق باقی تھی انہوں نے حضور ﷺ کے کردار میں کبھی کبھی روشنی کی کوئی کرن دیکھی ہے، وہ ان کے قلم پر بھی آئی ہے لیکن پھر تعصب اور مصلحت کے بوجھ تلے دب کر دم توڑ گئی ہے، پھر خوش نصیب مستشرقین ایسے بھی ہیں جنہوں نے سیرت رسول ﷺ سے اٹھنے والی نور کی کرن سے اپنے دلوں کو منور کیا ہے اور دشمنانِ رسول ﷺ سے ناطہ توڑ کر غلامانِ رسول ﷺ کی صف میں شامل ہو گئے ہیں۔ (2)

---

(1):۔ (عن مالك بن أنس:) أخرجه مالك في الموطأ، باب النہی عن القول بالقدر، صفحہ:702، مطبع مجتبائی، لاہور (بحوالہ ضیاء النبی جلد ہفتم، صفحہ:16)

(2):۔ ضیاء النبی ﷺ: ج، ہفتم، صفحہ:158/159: مطبوعہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

پیر کرم شاہ الازہری صاحب لکھتے ہیں کہ: حضور ﷺ کا دامن اتنا شفاف ہے کہ مستشرقین کی ذریت نہ اسے پہلے آلود کر سکی ہے اور نہ آئندہ کر سکے گی۔ آپ کا مقام اتنا بلند ہے کہ اسے گھٹانے کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ یہ بات شیطان کو بھی معلوم ہے اور اس کی ساری ذریت کو بھی کہ جس ہستی کو عظمتیں عطا کرنے والا خود ربِ کائنات ہے اس کی عظمتوں کے محل کو مسمار کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ لیکن شیطان اور اس کی ذریت کے حملے در اصل اس ذاتِ ستودہ صفات کے مقام کو گھٹانے کے لیے نہیں ہوتے بلکہ یہ حملے ان لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے ہوتے ہیں جو اس ہستی کو وجہ تخلیق کائنات سمجھتے ہیں، جو اس ہستی کے دامن کے ساتھ وابستگی کو سعادت دارین سمجھتے ہیں، جنہیں وہ ہستی رحمۃ للعالمین نظر آتی ہے، جنہیں اس ہستی کے کردار میں شبنم کی لطافت اور پھولوں کی پاکیزگی نظر آتی ہے۔ کئی سادہ لوح انسان شیطان اور اس کی ذریت کے وسوسوں میں آکر اس ہستی سے ناتا توڑ لیتے ہیں اور ایمان کی دولت سے محروم ہو جاتے ہیں۔(1)

تعددِ ازواج

اللہ تعالیٰ نے مردوں کو بیویوں کی تعداد کے متعلق یہ حکم دیا:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ(۳)(2)

ترجمہ: (اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کروگے تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں دو ۲ دو ۲ اور تین ۳ تین ۳ اور چار ۴ چار ۴ پھر اگر ڈرو کہ دو بیبیوں کو برابر نہ رکھ سکوگے تو ایک ہی کرو یا کنیزیں جن کے تم مالک ہو یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو۔)

تعدد ازواج اور ان کے تبصرے

اسلام نے مسلمانوں کی ازدواجی زندگی کے لیے جو حکیمانہ احکام دیئے ہیں، ان نتائج کی ایک جھلک قرآنی آیات کے حوالے سے علامہ پیر کرم شاہ الازہری صاحب لکھتے ہیں کہ: ان احکامات سے مستشرقین نے اپنے تخیل کے زور پر اخذ کئے ہیں۔ منٹگمری واٹ لکھتا ہے:

"We conclude, then, that virilocal polygyny, or the multiple virilocal family, which for long was the distinctive feature of Islamic society in the eyes of Christendom, was an innovation of Muhammad's There may have been some instances of it before his time, but it was not widespread, and it was particularly foreign to the outlook of the medinans." (3)

(1):۔ضیاء النبی ﷺ: ج، ہفتم، صفحہ: 160/161، مطبوعہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

(2):۔(النساء 4:3)

(3):۔ضیاء النبی ﷺ: ج، ہفتم، صفحہ: 410/411، مطبوعہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

"ایک خاوند اور کئی بیویوں پر مشتمل گھرانہ جو مدتوں عیسائیوں کی نظر میں اسلامی معاشرے کی خصوصی پہچان رہا، وہ محمد (ﷺ) کے ذہن کی اختراع تھی۔ ممکن ہے آپ سے پہلے اس کی چند مثالیں موجود ہوں لیکن یہ رسم عام نہ تھی اور خصوصاً اہل، مدینہ کے لیے یہ بات بالکل نئی تھی۔"

منٹگمری واٹ اور 'سورۃ النساء'

منٹگمری واٹ سورۃ النساء کی وہ آیت تحریر کرتا ہے جس میں چار تک بیویوں کی اجازت دی گئی ہے اور اس پر یہ تبصرہ کرتا ہے:

"The interesting point is that the verse is not placing a limit on a previous practice of unlimited polygyny. It is not saying to men who had six or ten wives, you shall not marry more than four. On the contrary it is encouraging men who had only one wife (or perhaps two) to marry upto four. It is not the restriction of an old practice but the introduction of something new." (1)

"دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ یہ آیت لامحدود کثرتِ ازواج کی سابقہ رسم کی حد بندی نہیں کر رہی۔ جن لوگوں کی چھ یا دس بیویاں تھیں۔ اس کے بر عکس جن لوگوں کی ایک ایک بیوی تھی یا دو تھیں، یہ آیت ان لوگوں کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے کہ وہ چار تک شادیاں کریں۔ اس آیت میں کسی پرانی رسم پر پابندی نہیں لگائی جا رہی بلکہ ایک نئی چیز متعارف کرائی جا رہی ہے۔"

تعدد ازواج نبوی ﷺ، اور مستشرق ولیم میور

ڈاکٹر محمد شہباز منج، اپنی کتاب "فکرِ استشراق اور عالمِ اسلام میں اس کا اثر و نفوذ" میں لکھتے ہیں کہ: ولیم میور نے آپ ﷺ کی شادیوں کو خواہشِ نفس کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہ آپ ﷺ نے اپنی نفسانی خواہش کی تسکین کے لیے شادیوں کی اس مقرر حد کی پرواہ بھی نہیں کی، جو آپ ﷺ نے اپنے پیروکاروں کے لیے طے کی تھی، لکھتا ہے:

Mahomet weakness for the sex seemed only to grow with age, and the attractions of his increasing harem were insufficient to prevent his passion from wardering beyond its ample limits.(2)

عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ محمد ﷺ کی شہوانی کمزوری بڑھتی ہی گئی۔ شادیوں کی مقررہ حد بھی انھیں حرم میں اضافے کی خواہش پوری کرنے سے باز نہ رکھ سکی۔

(1):۔ ضیاء النبی ﷺ: ج، ہفتم، صفحہ: 411، مطبوعہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

(2):۔ فکرِ استشراق، اور عالمِ اسلام میں اس کا اثر و نفوذ، صفحہ، 147/ 148، م: ڈاکٹر محمد شہباز منج

حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور نکاح نبی ﷺ پر اعتراض

میور نے حضور ﷺ کے حضرت زینب بنتِ جحش سے نکاح کے واقعے کو افسانوی اور شاعرانہ انداز میں بیان کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ ﷺ (معاذاللہ) اتنے خواہش پرست تھے کہ اپنے معاشرے کے مسلمہ اخلاقی اصولوں کو پامال کرکے بھی اس عورت کو حاصل کرنے میں آپ ﷺ کو عار نہ ہوئی، جو آپ ﷺ کے متبنیٰ زید کی منکوحہ تھی۔ آپ ﷺ اس کی محبت میں گرفتار ہوئے اور ہر قیمت پر اسے پانے کا تہیہ کر لیا: اور اس مقصد کے لیے وحی سے مدد لے لی۔[1]

نکاح زینب رضی اللہ عنہا پر اعتراض کا جائزہ

علامہ کرم شاہ الازہری صاحب لکھتے ہیں کہ: مستشرقین حضور ﷺ کی اس شادی کو بھی آپ کی خواہش پرستی کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ منصف قارئین خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیا مستشرقین کے اس الزام کو عقل تسلیم کر سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت زینب بنت خزیمہ کے ساتھ حضور ﷺ کا نکاح آپ کی شانِ رحمۃ للعالمینی کا اظہار ہے۔ اس نکاح کو حضور ﷺ کی شان گھٹانے کے لیے استعمال کرنا ایسا ہی ہے جیسے سورج کو پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ مستشرقین بارہ سو سال سے حضور ﷺ کی شان کو گھٹانے کی کوششوں میں ہمہ تن مصروف ہیں لیکن خدا کے حبیب کی شان اسی طرح مائل بہ عروج ہے جیسے سورج نصف النہار کی طرف رواں دواں ہوتا ہے۔ مستشرقین کے اس قسم کے الزامات سے حضور ﷺ کی شان میں کمی کی بجائے اضافہ ہوتا ہے۔ حضرت زینب بنت خزیمہ کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، ام المساکین کہہ کر بلاتے تھے۔[2]

تعدد ازواج نبوی ﷺ، پر اعتراض کا جواب

'ڈاکٹر عبد القادر جیلانی' نے اپنی کتاب "اسلام پیغمبرِ اسلام ﷺ اور مستشرقین مغرب کا اندازِ فکر" میں لکھتے ہیں کہ اس خانہ ساز قانون کی آڑ میں مستشرقین کی طرف سے تعددِ ازواجِ نبوی ﷺ پر شدید قسم کی دریدہ دہنی کی گئی۔ ان لوگوں کو عناد اس جانب توجہ کی اجازت نہیں دیتا کہ قانون کی غیر موجودگی میں کوئی بھی عمل جرم تو کیا الزام بھی نہیں ہو سکتا۔ چونکہ مغرب میں یک زوجگی کا ایک مستعار معاشرتی قانون نافذ ہے، اس لیے انہیں تعدد ازواج ناگوار گزرتا ہے۔ لیکن جس شخصیت پر اعتراض کیا جا رہا ہے وہ مغربی قانون کی ہرگز پابند نہ تھی۔ وہ ایک عرب شخصیت تھی اور اس دور کے عرب قانون کی رو سے تعددِ ازواج باعثِ شرف تھا۔ تمام اشرافِ عرب کثرتِ ازواج پر عمل پیرا تھے۔ شریعتِ موسوی کی طرح زمانۂ قبل از اسلام میں عربوں میں تعداد ازواج کی کوئی حد مقرر نہیں تھی۔ پیغمبرِ اسلام نے اس کی حد مقرر کی۔ اور ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ چار بیویاں کی مشروط اجازت دی۔ اس کے باعث جن کی چار سے زیادہ بیویاں تھیں، زائد بیویوں کو طلاق دینا پڑی۔

---

(1):۔ فکرِ استشراق، اور عالمِ اسلام میں اس کا اثرونفوذ، صفحہ، 148، م: ڈاکٹر محمد شہباز منج

(2):۔ ضیاء النبی ﷺ: ج، ہفتم، صفحہ: 484/485، مطبوعہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

مزید لکھتے ہیں کہ مغرب جس انداز سے کثرتِ ازواج پر اعتراض کرتا ہے اس کا حق اسے اپنی معاشرتی قدر کی بنیاد پر قطعی نہیں پہنچتا۔[1]

تعددِ ازواج کے حق میں اہل مغرب کی آرا

علامہ پیر کرم شاہ الازہری صاحب لکھتے ہیں کہ: اسلام نے جو قانون چودہ سو صدیاں پہلے پیش کیا تھا اور جس کے خلاف کئی صدیاں دنیائے عیسائیت ویہودیت غیظ وغضب کا اظہار کرتی رہی ہے، اب یوں محسوس ہوتا ہے کہ جو انسان اسلام کے اس قانون کے خلاف زہر اگلتے رہے ہیں، وہ بھی اب اس کی اہمیت سے آگاہ ہو چکے ہیں۔ ان میں سے کچھ دبے الفاظ میں اور کچھ کھل کر اس قانون کی حمایت کرنے لگے ہیں۔ برازیل کی عورتوں کا تعددِ ازواج کو جائز قرار دینے کے حق میں مظاہرے کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جس قانون کو اب تک صنفِ نازک کے وقار کا دشمن قرار دیا جاتا رہا ہے اس کے متعلق ان صنفِ نازک نے خود اس حقیقت کو پالیا ہے کہ وہ قانون ان کے لیے باعث ذلت نہیں بلکہ باعث رحمت ہے۔ جدید سائنسی انکشاف نے بھی اس قانون کے متعلق اہل مغرب کا رویہ بدلنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اور مغرب میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اس قانون کا دفاع کر رہے ہیں۔ فرانسیسی مستشرق "الفونس اتیین دینیہ" اپنی کتاب "محمد رسول اللہ (ﷺ)" میں کہتا ہے:

"امر واقع یہ ہے کہ تعدد ازواج کا دستور ساری دنیا کے تمام خطوں میں موجود ہے۔ اور جب تک یہ دنیا باقی ہے یہ دستور باقی رہے گا۔ اس کو ختم کرنے کے لیے جتنے بھی سخت قوانین بنائے جائیں یہ ختم نہیں ہو سکتا۔ ہم نے فیصلہ صرف یہ کرنا ہے کہ آیا اس کو قانونی جواز مہیا کر دیا جائے یا اس کو قانوناً منع کیا جائے لیکن یہ خفیہ یا اعلانیہ طور پر منافقانہ انداز میں جاری رہے اور کوئی چیز اس کا راستہ نہ روک سکے۔"[2]

مختلف مغربی سیاح، جن میں "جیر ال دی نیر فال" اور "لیڈی موجان" قابل ذکر ہیں، انہوں نے ساری دنیا کی سیاحت کی ہے۔ تمام قوموں کے حالات کو قریب سے دیکھا ہے اور آخر کار وہ تعددِ ازواج کے مسئلے کے متعلق اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ گو اسلام تعددِ ازواج کی اجازت دیتا ہے اور عیسائیت اس کو ممنوع قرار دیتی ہے لیکن عملاً معالہ برعکس ہے۔ تعددِ ازواج کا دستور مسلمانوں کی نسبت عیسائیوں میں زیادہ ہے۔[3]

ذاتِ نبی ﷺ اور مستشرقین کے مناظراتی حملے

ظفر علی قریشی "اپنی کتاب امہات المومنین اور مستشرقین" میں لکھتے ہیں کہ: یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ مغربی ناقدین نے سراسر تعصب اور بدنیتی کی بنیاد پر نبی کریم ﷺ پر جھوٹے الزمات یوں لگائے کہ آپ ﷺ اپنے اقتدار کی ترقی اور اپنی طاقت کے بڑھنے کے بعد زیادہ پر تعیش زندگی بسر کرنے لگے۔ ہم انتہائی بوجھل دل کے ساتھ ان ہرزہ سرا مصنفوں کے حوالے سے مندرجہ ذیل حوالہ جات درج کرتے ہیں۔"

(1):۔ اسلام پیغمبرِ اسلام ﷺ اور مستشرقین مغرب کا اندازِ فکر، صفحہ، 343/344، م: ڈاکٹر عبد القادر جیلانی

(2):۔ ضیاء النبی ﷺ: ج، ہفتم، صفحہ: 438/439، مطبوعہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

(3):۔ ضیاء النبی ﷺ: ج، ہفتم، صفحہ: 439، مطبوعہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

"دہی جیوش انسائیکلوپیڈیا(The Jewish Encyclopedia) میں اس طرح لکھتا ہے:

"محمد ﷺ کی ہجرتِ مدینہ کے بعد ان کی ازواجی زندگی اور مذہبی زندگی میں تبدیلی محسوس ہوئی ہے۔"

فلپ سکاف(Philip Schaff) اپنی کتاب ہسٹری آف کرسچین چرچ(History of Christian Church) میں بیان کرتا ہے۔

"ان کی تعددِ ازواج جنسیت پرستی کے سبب تھی(معاذاللہ)۔اور اولادِ نرینہ کی خواہش میں عمر کے ساتھ ساتھ شدت آتی گئی۔"

گبن Gibbon نے اپنی کتاب "سلطنت کا زوال وانحطاط"(Decline & Fall of Roman Empire) میں بھی اسی طرح کی الزام تراشی کی ہے۔

گستاف ویل(Gustav Weil) نے اپنی کتاب "ہسٹری آف اسلامک پیپلز" (History of Islamic Peoples) میں لکھا ہے "کہ حرم سرائے پیغمبر ﷺ کا قرآن میں خصوصی ذکر ہے"۔

ول ڈیورینٹ(Will Durant) اپنی کتاب "دی ایج آف فیتھ"(The age of Faith) میں انتہائی غیر منصفانہ طور پر پیغمبرِ اسلام ﷺ کو(معاذاللہ) جنس پرست لکھا ہے۔

ایک دیگر متعصب نقاد نابیہ ایبٹ(Nabia Abbot) نے اپنی کتاب" عائشہ محبوبہ محمد ﷺ"(Aisha the Beloved of Mohammad) میں آپ ﷺ کو(معاذاللہ) جنس پرست بیان کیا ہے۔[1]

ذاتِ نبی ﷺ پر مستشرقین کے مناظراتی حملے پر جائزہ

ظفر علی قریشی مستشرقین کے ان مناظراتی حملوں کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: مذکورہ بالا تمام مصنفین نے نبی اکرم ﷺ اور اسلام سے اپنی نسل در نسل نفرت کے پیشِ نظر ان حقائق پر جو اِن کی آنکھوں میں کھٹکتے تھے، اپنی آنکھیں بند رکھیں اور ان تمام سیاسی، سماجی، اور اخلاقی وجوہات واسباب کو آسانی سے فراموش کر دیا جن کی بنا پر نبی اکرم ﷺ تعدّدِ الازواج کی زندگی گزانے پر مجبور ہوئے۔ یہ انتہائی اہم امر ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے پہلے تشریف لانے والے پیغمبروں نے بھی تعدّدِ الازواج کو اپنائے رکھا۔ مگر مستشرقین میں سے کسی نے بھی ان انبیاء کرام علیہ السلام کے بارے میں حرف زنی کیوں نہیں کی ؟۔ اور صرف جناب پیغمبرِ اسلام ﷺ کو تنقید اور تضحیک کا نشانہ بنایا۔ کوئی بھی غیر متعصب اور صاحبِ بصیرت شخص بہ آسانی اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ لوگ اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ سے کتنی گہری نفرت کرتے تھے۔[2]

اخلاق نبوی ﷺ پر مستشرقین کا حملہ

اخلاقِ نبی ﷺ

نبی پاک ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

(1):۔امہات المومنین اور مستشرقین، صفحہ:68/69،م: ظفر علی قریشی، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی، پاکستان

(2):۔امہات المومنین اور مستشرقین، صفحہ:69،م: ظفر علی قریشی، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی، پاکستان

بعثت لأتمم مکارم الأخلاق [1]

ترجمہ:(میری بعثت اس لیے ہوئی ہے تاکہ اچھے اخلاق کی تکمیل کروں)

علامہ کمال احمد علیمی نظامی لکھتے ہیں کہ: ظاہر ہے جس کی بعثت کا مقصد ہی اخلاق حسنی کی تکمیل ہو اگر وہ خود ان اخلاق کا جامع نہیں ہو گا تو وہ اتنے عظیم فریضہ سے کیسے سبک دوشی حاصل کر سکے گا؟ یہی وجہ ہے کہ جب ہم رحمت عالم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک ورق اُٹھا کر مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کی پوری زندگی اخلاقِ حسنہ کی حسین جلوہ گاہ نظر آتی ہے، تقویٰ و طہارت۔ عفت و عصمت، توکل و استغنا، عفو و درگزر، حلم و وقار، عزت و تمکنت، رحمت و رافت غرض کہ اخلاق طاہرہ کا وہ کون سا پہلو ہے جو آپ (ﷺ) کے اندر نہیں پایا جاتا ہے خود قرآن مقدس ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (۴) [2]

ترجمہ:(اور بیشک تمہاری خوبو بڑی شان کی ہے)

اور مستشرقین اس ذات بابرکت کی ذاتِ پاک پر نکتہ چینی کر کہ عیب تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ جس ہستی کو اللہ تعالیٰ نے بے عیب پیدا فرمایا، اور قرآن کریم میں بے عیب بیان فرمایا۔

نبی پاک ﷺ کی طرف جھوٹ، دھوکہ اور فراڈ کی نسبت

ڈاکٹر محمد شہباز منج اپنی کتاب "فکرِ استشراق اور عالمِ اسلام میں اس کا اثر و نفوذ" میں لکھتے ہیں کہ: گستاویل کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ (معاذ اللہ) اپنے مفاد کے تحت جھوٹ، دھوکے بازی، فراڈ سب کچھ کر گزرنے کو تیار ہوتے تھے۔ ویل کے الفاظ ہیں:

However, that may be, there is no doubt that he had frequent recourse to all sorts of fraud and imposture to secure his purpose; calling into his service the angel Gabriel to reveal thing which he could not himself believe. [3]

"کچھ بھی ہو محمد ﷺ کے پاس اپنے مفاد کے لیے ہر قسم کے فراڈ اور دھوکے کا آپشن موجود تھا۔ وہ کسی بھی وقت فرشتہ جبریل کو اس خدمت کے لیے بلا سکتے تھے، کہ ان پر وہ چیز نازل کرے، جن پر وہ (نعوذ باللہ) خود بھی یقین نہ کر سکتے تھے"۔

نبی پاک ﷺ کی دیانت، صبر و تحمل اور وسعتِ نظر پر اعتراض

ڈاکٹر محمد شہباز منج اپنی کتاب "فکرِ استشراق اور عالمِ اسلام میں اس کا اثر و نفوذ" ٹارانیڈ رائے (Tor Julius Efraim Andrae 1885ء-1947ء) کے نزدیک بھی آپ ﷺ (نعوذ باللہ) عیار، دغاباز اور حیلے بہانے سے اپنا مفاد حاصل کرنے کا رجحان

(1):۔ تصفیة القُلوب من ادْرَان الأوزَارِ وَالذنوب، صفحہ: 39، تألیف الإمام یحیی بن حمزة الیمانی الذمار المتوفی ۷۴۹ھ۔ مطبوعہ: مؤسسة الکتب الثقافیة

(2):۔(القلم 4:68)

(3):۔ فکرِ استشراق، اور عالمِ اسلام میں اس کا اثر و نفوذ، صفحہ، 146: م: ڈاکٹر محمد شہباز منج

رکھنے والے تھے۔ راے آپ ﷺ کی اخلاقیات کو کم تر دکھانے کے لیے استدلال کرتا ہے کہ آپ ﷺ میں خوبیاں یقیناً ہیں، لیکن آپ ﷺ کی اخلاقی پوزیشن آپ (ﷺ) کی دیگر خوبیوں کے مقابلے میں بہت کمزور ہے:

In spite of everything that can be said in defense Muhammad's religious integrity and his loyalty to his call, his endurance, his liberality and his generosity, we are not doing the prophet of Islam an injustice when we conclude that his moral personality does not stand upon the same level with his other endowments. (1)

"محمد ﷺ کی مذہبی دیانت، اپنے مشن سے لگن، صبر وضبط، وسعتِ نظر اور لطف ومہربانی کے دفاع میں جو کچھ بھی کہا جاسکے، یہ نتیجہ اخذ کرکے ہم پیغمبر اسلام ﷺ سے ناانصافی نہیں کررہے ہوں گے کہ آپ کی اخلاقیات آپ کی دیگر خوبیوں کے برابر نہیں"۔

جذبہ جہاد پر مستشرقین کا اعتراض

ولیم میور کا کہنا ہے کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے لڑنے کا جذبۂ محرکہ لوٹ کی خواہش تھی۔ جارج سیل کا خیال ہے کہ ابتداءً حضور ﷺ کا رویہ نرم اور معتدل صرف اس لیے تھا کہ آپ ﷺ کمزور تھے، جب آپ ﷺ کی طاقت حاصل ہوئی تو آپ ﷺ نے فوراً اعلان کردیا کہ آپ ﷺ کو بارگاہ خداوندی سے دشمنوں پر حملہ کرنے، بت پرستی کو ختم کرنے اور دین کو بہ زورِ شمشیر قائم کرنے کی اجازت مل گئی ہے۔ ٹار اینڈ راے کے خیال میں جنگی فتوحات نے آپ ﷺ کو تسلی دی کہ آپ اپنے دین کو بہ زورِ بازو نافذ کرسکتے ہیں۔ راے کے الفاظ یہ ہیں:

The satisfaction and joy of victory increased the prophet's consciousness of his calling. The thought grows in him that the world must be compelled by force to obey Allah's word and commandments, if preaching did not succeed. (2)

"فتح کی خوشی اور اطمینان نے اپنے مشن کے لیے پیغمبر اسلام ﷺ کی توجہ اور احساس میں اضافہ کیا۔ ان کے اندر یہ خیال پختہ ہوگیا کہ اگر تبلیغ کارگر نہ ہو تو دنیا کو بہ زورِ طاقت احکامِ الٰہی کی اطاعت پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔

مستشرقین کا اعتراض کہ ازواجِ نبی ﷺ آپس میں حسد کرتیں تھیں

علامہ پیر کرم شاہ الازہری صاحب لکھتے ہیں کہ: بعض مستشرقین نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ حضور ﷺ ہر سال اپنی ازواج کو خیبر وغیرہ کی زمینوں کی آمدنی سے مال کثیر عطا فرماتے تھے۔ اور مال کی کثرت کی وجہ سے ان کے درمیان حسد کے جذبات پروان چڑھتے تھے۔

(1):۔ فکرِ استشراق، اور عالمِ اسلام میں اس کا اثر ونفوذ، صفحہ،147، م: ڈاکٹر محمد شہباز منج

(2):۔ فکرِ استشراق، اور عالمِ اسلام میں اس کا اثر ونفوذ، صفحہ،151، م: ڈاکٹر محمد شہباز منج

جائزہ

علامہ پیر کرم شاہ الازہری صاحب لکھتے ہیں کہ: مستشرقین کا یہ شوشہ تاریخی حقائق کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قومی آمدنی کی بہت سی مدیں ایسی تھیں جو مکمل طور پر حضور ﷺ کے تصرف میں تھیں اور آپ کو بارگاہ خداوندی سے قومی آمدنی کی ان مدوں میں سے اپنے اہل خانہ پر خرچ کرنے کی اجازت بھی تھی لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے اختیاری طور پر اپنے گھر کے لیے فقر کی نعمت کی ہی پسند فرمایا تھا۔(1)

نبی پاک ﷺ پر ظلم اور دھمکیاں لگانے کا الزام

ٹار انڈرائے نے حضور ﷺ کی شخصیت میں جس خامی کا سراغ لگایا تھا، اسے ولیم نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ آپ کے تعلقات کے تناظر میں پرکھا تو اس نتیجے پر پہنچا:

"Thus with threats of abasement and cruel words, Mahomet parted with those to whose teaching he owed so much. Having reached the pinnacle of his ambition, he cast aside the ladder by which he had climbto it."(2)

"یوں توہین آمیز دھمکیوں اور ظالمانہ الفاظ کے ساتھ محمد ﷺ نے ان لوگوں سے رشتہ منقطع کیا جن کی تعلیمات سے آپ نے بہت کچھ حاصل کیا تھا۔ جب آپ اپنی آرزوؤں کی بلند ترین چوٹی پر پہنچ گئے تو آپ نے اس سیڑھی کو دور پھینک کیا جس کے ذریعے آپ اس بلندی پر پہنچے تھے۔"

علامہ پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں کہ: دوستوں کے ساتھ حضور ﷺ کے سلوک کا اندازہ کرنے کے لیے ضروری تھا کہ مستشرقین آپ کا وہ سلوک دیکھتے جو آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا جو آپ کے بچپن کے ساتھی تھے، یا انصار مدینہ کا ساتھ آپ کی لجپالی کے مناظر کو دیکھتے جن کی فداکاریوں کا صلہ دینے کے لیے آپ نے فتح مکہ کے بعد طیبہ ہی کو اپنا مسکن بنایا تھا اور اپنی اُمت کو بار بار انصار کی فداکاریوں کی یاد دلا کر ان کا حق ادا کرنے کی تلقین کی تھی۔ یہودی اور عیسائی تو ایک لمحہ کے لیے بھی آپ (ﷺ) کے دوست نہ بنے تھے۔ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے ان کو مسلمانوں نے مشرکین کی نسبت اپنے قریب تر تو سمجھا تھا لیکن یہودیوں نے اس کا جواب کبھی خیر سگالی کے جذبات سے نہیں دیا تھا بلکہ انہوں نے ہمیشہ مشرکین کو مسلمانوں پر ترجیح دی تھی، اس لیے دوستوں کے ساتھ حضور ﷺ کی وفاداری کا اندازہ کرنے کے لیے دوستوں کے ساتھ آپ ﷺ کے سلوک کو دیکھنا چاہیے تھا نہ کہ ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے قدم قدم پر آپ ﷺ کی مخالفت کی تھی۔(3)

(1):۔ضیاء النبی ﷺ: ج، ہفتم، صفحہ:478، مطبوعہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

(2):۔ضیاء النبی ﷺ: ج، ہفتم، صفحہ:398 مطبوعہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

(3):۔ضیاء النبی ﷺ: ج، ہفتم، صفحہ:398/399، مطبوعہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

خاتمہ

خلاصہ تحقیق

استشراق سے مراد "غیر مشرقی لوگوں کا مشرقی زبانوں، تہذیب، فلسفے، ادب اور مذہب کے مطالعے میں مشغول ہونے کا نام استشراق ہے۔" تو یہ لوگ اس طرح اس تعریف کے مصداق بنے کہ انہوں نے قرآن پاک کا بغور مطالعہ کیا اور پہلے اس کو سمجھا اور پھر اس پر اعتراض کرنا شروع کر دیے۔ اور قرآن کے ترجمے اور تفسیر میں لفظی اور معنوی تحرافات بھی کیں۔

استشراق یہ با قاعدہ ایک تحریک تھی جس کا آغاز تیرھویں صدی عیسوی میں ہوا۔

صلیبی جنگوں کے آغاز میں جب ان کو شکست ہوئی تو انہوں نے اس تحریک کا آغاز کیا تا کہ اس تحریک کے ذریعے مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکے۔

اولاً اس تحریک کا مقصد یہی تھا کہ دین اسلام کو مسمار کیا جائے اور عیسائیت کو عام کیا جائے۔ اور اس مقصد کے لیے انہوں نے بہت کوششیں کیں یہاں تک کہ قرآن پاک کا کلام الٰہی ہونے سے انکار کر دیا اور نبی رحمت ﷺ کی طرف منسوب کیا کہ یہ آپ ﷺ نے خود اپنے مقاصد کے لئے گھڑا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جس کی شان کو بڑھانا چاہے اسے کون کم کر سکتا ہے۔

اور قرآن پاک کے بعد ان کا حملہ حدیث نبی ﷺ پر تھا، کیونکہ وہ اس بات سے واقف تھے کہ قرآن پاک کے بعد مسلمانوں کا سب سے زیادہ ایمان اور یقین حدیث رسول ﷺ پر ہے۔ نیز حدیث رسول ہی وہ واحد راستہ ہے جس پر چل کر شمع رسالت کے پروانے اس عہد میمون میں پہنچ سکتے ہیں۔ جس میں وہ اپنے رسول ﷺ کے دہن پاک سے نکلنے والی صدائے دلنواز سے شادکام ہو سکتے ہیں۔

حدیث کے بعد ان کا ہدف سیرتِ نبی ﷺ تھا تو انہوں نے اس پر بھی زہر افشانی کی کیونکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ مسلمان کی سب سے بڑی طاقت عشق رسول ﷺ ہے، جس کے دل میں جتنی زیادہ محبت رسول ﷺ ہو گی اتنی ہی زیادہ اس کے ایمان میں پختگی ایقان میں مضبوطی اور اطاعت الٰہی میں تیزی ہو گی۔ تو گویا مستشرقین یہ سب برداشت نہیں کر سکتے تھے تو انہوں نے مسلمان کے ایمان کو کمزور کرنے کے لیے اس کے دل میں موجود محبتِ رسول ﷺ کے چراغ کو بجھانے کی کوشش کی، جو اس کو ظلمتوں سے لڑنے کا حوصلہ، باطل قوتوں سے ٹکرانے کا جذبہ اور کفر والحاد کی آندھیوں کے خلاف صف آرائی کی امنگ عطا کرتا ہے۔ اس کے لیے انہوں نے رحمتِ عالم ﷺ کی عظمت و رفعت کو نشانہ بنانا شروع کر دیا، اور آپ ﷺ کے کردار و سیرت پر کیچڑ اچھالنے کا آغاز کیا۔

نتائج البحث

مستشرقین کا موضوع یعنی تحریکِ استشراق یہ ایک پیچیدہ موضوع ہے۔ جس کے بارے آج سے چند صدیاں پہلے علماء اس تحریک سے واقف تھے، لیکن عام لوگ یا عام مسلمان اس تحریک کے بارے بہت کم جانتے تھے۔ اور آج کے جدید دَور میں عام لوگ بھی اس تحریک کو جانتے تو ہیں لیکن کماحقہ کہ اس تحریک کے مقاصد و اہداف کیا تھے، اس سے عام طبقہ ناواقف ہے، اور یہ لوگوں کے درمیان مجہول ہے۔ اور یہ تحریک آج اپنے جھوٹ اور مذموم عظائم سے لوگوں کو گمراہ کر رہی ہے۔ اور مسلمانوں کو قرآن و حدیث

سے دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

سفارشات

1) اس تحریک کے اور اس تحریک کے مذموم مقاصد و اہداف کے بارے میں لوگوں کو اور عام مسلمانوں کو آگاہی ہونی چاہے تاکہ وہ ان کے مذموم مقاصد و اہداف میں بطورِ کھٹ پتلی کے استعمال نہ ہوں اور ان کا ایمان محفوظ رہے۔

2) اس تحریک کے مذموم مقاصد و اہداف کو لوگوں پر عیاں کرنے کے لیے باقاعدہ سیمینار منعقد کروائے جائیں۔

3) ایسے اسکالرز اور مبلغین تیار کئے جائیں جو ان کے اعتراضات و تنقیدات کا منہ توڑ جواب دیں۔

4) حکومتِ وقت کو چاہیے کہ کم از کم وطنِ عزیز میں اس تحریک کی روک تھام کے لیے اِقدام کرے۔

5) والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو چھوٹی عمر میں ہی اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کریں ،اور انہیں محبتِ رسول ﷺ سکھائیں۔ تاکہ وہ راہِ حق سے بھٹک نہ سکیں۔

فہارس

فہرست آیات

فہرست احادیث

فہرست اعلام

نمبر شمار	اعلام	نمبر شمار	اعلام
(1	ایلائس سپر نگاAloys Sprenger	(2	ابرٹ آف تستر
(3	ابن منظور الافریقی	(4	ابو جہل
(5	ادریس حامد محمد	(6	آرتھر جان آربری Arthur John Arberry
(7	آرتھر جیفری	(8	ارسطو
(9	اقلیدس	(10	اگناز گولڈزیہر
(11	آلوئز سپر نگر	(12	امام بخاری
(13	امام زہری مرحوم	(14	امیر کاتیانی
(15	انتھونی وڈ‘Anthony Wod(متوفی 1643ء)	(16	انطون گالان
(17	اورنالینو	(18	اور مسٹر ہملٹن المتوفیٰ 1824ء
(19	اے گیم	(20	ایڈلرڈ آف باتھ نا
(21	ایڈورڈ ریہباسٹک(1891-1819)،	(22	ایڈنبرا
(23	ایڈورڈ سعید(Edward W. Said)	(24	ایڈورڈ مہلر
(25	ایف بہل	(26	ایل اسمنٹ
(27	ایلائس سپر نگا(Alloy’	(28	برٹش
(29	بلاشیر	(30	بی ڈی بربلو(1695-1625)
(31	بیکن	(32	پادری بار تیلمی(1716-1795)
(33	پادری ڈروم	(34	پادری ریٹاورڈو
(35	پادری زویمر	(36	پادری فاکاری لازنون
(37	پادری کموشکو،	(38	پروفیسر پامر
(39	پروفیسر سخائو	(40	پروفیسر گویام
(41	پروفیسر مار گولیتھ	(42	پطرس محترم
(43	پیر کرم شاہ الازہری صاحب	(44	تھامس آرنلڈ
(45	تھامس کالائل	(46	توسیورڈوریر(Sieur du Ryer)
(47	ٹارانڈ ارائے	(48	جابر بن افلح

49)	جارج سیل	50)	جان جاک سدیو
51)	جان لی ایسپوزیٹو John L Esposito	52)	جبرائیل عَلَیہِ السَّلَام
53)	جرمن مستشرقین ہاہائیڈ موٹسکی	54)	جریری دی
55)	جوزف شاخت	56)	جوزف شاخت
57)	جیراردی کریمون	58)	جیرال دی نیر فال
59)	جیفری نے اپنے اس	60)	جیوئن بال G.H.A.Juynboll
61)	حضرت زینب رضی اللہ عنھا	62)	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
63)	حضرت عمر بن عبد العزیز رضی للہ عنہ	64)	حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
65)	دانتے	66)	دہی جیوش
67)	ڈاکٹر احمد عبد الحمید غراب	68)	ڈاکٹر شرف الدین
69)	ڈاکٹر عبد القادر جیلانی	70)	ڈاکٹر عمر فروخ
71)	ڈاکٹر عمر بن ابراہیم رضوان کا کہنا	72)	ڈاکٹر فلپ کے ہٹی
73)	ڈاکٹر گلوور	74)	ڈاکٹر محمد ابراہیم الفیومی رودی
75)	ڈاکٹر محمد شہباز منج	76)	ڈاکٹر منجن
77)	ڈانٹے	78)	ڈیوڈ صموئیل مارگولیتھ
79)	ڈینی راس	80)	رائن ہرچ ڈوزے
81)	رابرٹ آف تشتر	82)	سلطان ٹیپو شہید
83)	سپرنگا	84)	صدیقِ اکبر
85)	طرح آدم علیہ السلام	86)	ظفر علی قریشی
87)	عبد الوھاب حمودہ	88)	علامہ بروکلمان
89)	علامہ ڈاکٹر حافظ محمد زبیر	90)	علامہ شمس الحق افغانی نے
91)	عمران	92)	عمر رضی اللہ عنہ
93)	عن زید بن ثابت	94)	عن عکرمۃ الطائی
95)	فلب سکاف Philip Schaff))	96)	الفونس اتیین دینیہ
97)	الفونس دہم	98)	کامیڈی (Divine Comedy)
99)	کرنل لارنس آف عربیا	100)	کلیر ٹزڈال
101)	کینن گراڈ	102)	گستاف وائل

103)	گولڈزیہر	104)	گیبرئیل رینلڈر
105)	لی اسٹونج	106)	لیڈی موجان
107)	لیزج	108)	لیونے کا یتانی
109)	مارگولیتھ	110)	مائیکل کوک
111)	محمد شکیب قاسمی	112)	محمود زقزوق
113)	مریم علیھا السلام	114)	مستشرق ولیم میور
115)	مستشرق آربری(Arther Arberry)	116)	مستشرق جولیان
117)	مستشرق سفاری	118)	مستشرق مسیو کوین
119)	مستشرق مونپور کولی	120)	مسٹر انڈوسن
121)	مسٹر برائون	122)	مسٹر جی پوسٹل
123)	مسٹر جیکس	124)	مسٹر لوکارٹ
125)	مسٹر لیمب	126)	مسٹر منڈائو
127)	مسٹر ہملٹن گب	128)	مسٹر ہوز مصنف
129)	مسٹر لولیس	130)	مسٹر جی فلوگل(1802-1870)
131)	ملکہ سبا سلیمان	132)	منٹگمری واٹ
133)	موسیٰ علیہ السلام	134)	مونٹ گمری واٹ
135)	میکسم روڈنسن(Maxime Rodenson)	136)	میکسیما ہوداسن Maxime Rodinson
137)	میں 'صموئیل کلاک' Samuel Clarke	138)	میونخ
139)	نارمنڈی	140)	نورمن کولڈزیہر
141)	نولدیکے	142)	ہاروت ماروت
143)	ہالینڈ	144)	ہرمان الدلماطی المتوفیٰ 1172ء
145)	علامہ آلوسی	146)	ول ڈیوران
147)	ولیم منٹگری واٹ	148)	ولیم میور(William Muir)
149)	ولیم ہوک مارلے	150)	ویٹیبر(1213-1367)
151)	الیاک	152)	یحییٰ بن یعمر
153)	یحییٰ بن سرابی	154)	یوحناد مشقی

فہرست اماکن

فہرست مصادرومراجع

1) القرآن الکریم

2) الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی، ص133، سن اشاعت 1857، طبع: کلکتہ،

3) استشراق اور مستشرقین، مولانا محمد اسمٰعیل، ناشر: تفہیم دین اکیڈمی حیات آباد پشاور، طبع اوّل: اکتوبر 2016ء

4) استشراق اور مستشرقین ایک تاریخی اور تنقیدی مطالعہ، ڈاکٹر حسنی سباعی، ناشر: مرکزہ اہل سنت برکات رضا، امام احمد رضا روڈ پوربندر، گجرات، انڈیا، طباعت اوّل: 2008ء،

5) اسلام اور مستشرقین جلد 6، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (یو-پی)، سن اشاعت 2004ء، مرتب: ضیاء الدین اصلاحی، سید صباح الدین عبدالرحمان،

6) اسلام اور مستشرقین، حجۃ الاسلام اکیڈمی، محمد شکیب قاسمی، بابت: 1435ھ/2014،

7) اسلام اور مستشرقین، ترتیب وترجمہ مولانا سلمان شمسی ندوی، ادارہ اسلامیات لاہور، سن طباعت: جون 1982ء،

8) اسلام اور مستشرقین، مکتبہ: رحمۃللعالمین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر، طبع اوّل: اکتوبر 2014ء،

9) اسلام پیغمبرِ اسلام ﷺ اور مستشرقین مغرب کا اندازِ فکر، ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی، سن اشاعت 2006ء، طبع قدسیہ اسلامک پرس، لاہور،

10) اسلامی تصوف کے مصادر اور مستشرقین کی آراء کا تجزیاتی مطالعہ، عبدالوہاب جان الازہری، الایضاح 28، شمارہ 1، (2014)،

11) امہات المومنین اور مستشرقین، ظفر علی قریشی، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی، پاکستان، سن اشاعت: اپریل 2010ء،

12) تحریکِ استشراق، متبوعہ الغنی پبلشرز، کمال احمد علیمی نظامی،

13) تحریک استشراق لامتناہی تسلسل، افتخار احمد افتخار، سن اشاعت مارچ 2019،

14) تصفیة القُلوب من ادْرَان الأوزَارِ وَالذنوب، تألیف: الإمام یحیی بن حمزہ الیمانی الذمار المتوفی 749ھ مطبوعہ: مؤسسة الکتب الثقافیة،

15) تفہیم استشراق، مطبوعہ ورلڈ ویو پبلشرز، م: ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی، ایڈیشن: 2019

16) حدیث رسول ﷺ حقیقت، اعتراض اور تجزیہ، محمد ادریس زبیر، ناشر، الھدی پبلی کیشنز، اسلام آباد، اڈیشن اوّل، طبع 12 جنوری 2013ء،

17) حفاظت قرآن اور مستشرقین، پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر، دارالنوادر الحمد مارکیٹ، اردو بازار لاہور، سن اشاعت 2018،

18) سیرت النبی ﷺ اور مستشرقین، معارف اعظم گڑھ 2014ء-1916ء کے منتخب مضامین، ترتیب: حافظ عبدالغفار، طبع: دارالنواد، لاہور،

19) سیرت نبوی ﷺ پر اعتراضات کا جائزہ، ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی، مکتبہ قاسم العلوم، ملک اینڈ کمپنی رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، پاکستان،

20) صحیح البخاری جلد سوم، کتاب فضائل القرآن باب القراء من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، الرقم 5003، طبع البشری،

21) ضیاء النبی، حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، سن اشاعت: جون 2021ء، جلد 6/7،

22) علوم حدیث پر مستشرقین کی تنقیدات اور مصطفیٰ اعظمیؒ کا منہج تحلیل وتجزیہ "اسماء گل" "ڈاکٹر یاسر عرفات" (156)/القلم دسمبر 2018،

23) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری،، صفحہ 365، رقم الحدیث: ۱۱۸۹ طبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت لبسنان، م: علامہ بدر الدین عینی

24) عہدنبی میں حفاظتِ قرآن سے متعلق مستشرقین کے اعتراضات کا علمی جائزہ بر جس 4، شمارہ 1، 2017ء، میاں اسد میاں رفیع اللہ،

25) فکرِ استشراق، اور عالمِ اسلام میں اس کا اثر ونفوذ، صفحہ، ڈاکٹر محمد شہباز منج، اشاعت اوّل 2016ء، القمر پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور،

26) قرآن حکیم اور مستشرقین، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، ناشر: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ثناء اللہ حسین، کوڈ نمبر، (4576) اشاعت ششم: 2010ء، طبع: انٹر گرافکس پرنٹر، اسلام آباد،

27) کتاب المصاحف، ص 229، رقم 108، تالیف ابوبکر عبد اللہ بن سلیمان بن اشعث السجستانی الحنبلی طبع دار البشائر الاسلامیہ،

28) کیرن آرم اسٹرانگ کی کتاب (عالم اسلام پر مستشرقین کی فکری یلغار) کا تحقیقی جائزہ، محمد اسمٰعیل بدایونی، اسلامک ریسرچ سوسائٹی کراچی،

29) مجلہ: برائے ادیان وافکار، عنوان: قرآنی قصص مریم علیہ السلام کا ماخذ: استشراقی رجحانات کا تنقیدی جائزہ، مصنف: محمد طیب عثمانی، جلد 1، شمارہ 1، سال: 2019،

30) مجلہ: برجس: سیرتِ نبی ﷺ کے منتخب موضوعات (نبوت، وحی اور معجزات) سے متعلق لزے ہز لٹن کے آراء کا تحقیقی جائزہ، اسلام محمد جانس خان،

31) جلد: 6، شمارہ: 1، سال: 2019،

32) مستشرقین اور انگریزی تراجم قرآن، پروفیسر اختر الواسع، مکتبہ قاسم العلوم، ملک اینڈ کمپنی رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، پاکستان،

33) مستشرقین اور تحقیقات اسلامی، مولانا عبد القدوس ہاشمی، مجلہ الواقعہ کراچی: جنوری، فروری 2013ء، شمارہ 10 / 11،

34) مستشرقین کے مصحفِ عثمانی پر شبہات کا تنقیدی مطالعہ، سعید الحق، صالح الدین، علامہ شمس الحق افغانی، مجلہ، 2020ء، شمارہ: 2،

35) المنجد عربی اُردو، تصنیف: لویس معلوف، ترجمہ: مولانا ابو الفضل عبد الحفیظ البیاوی، طابع: نذیر احمد، مطبع: افضل شریف پرنٹرز،

36) مؤطا امام مالک، باب النہی عن القول بالقدر، مطبع مجتبائی، لاہور (بحوالہ ضیاء النبی جلد ہفتم، صفحہ: 16)،